دین و دنیا

عبدالغنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورت اور اسلام

اسلام میں عورت کا کیا درجہ ہے

اسلام دنیا میں انقلاب کیسے کرنا چاہتا ہے

یہ مضمون جس پر میں آج قلم اٹھا رہا ہوں۔ اسلامی دنیا میں اور غیر مذاہب کے اندر بڑے اعتراض کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جو محض اسلامی تعلیم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک بڑا زبردست اعتراض معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق دراصل اگر اکابرین سلف اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری روشنی نہیں ڈالی اس کی محض وجہ یہ تھی۔ کہ بزرگوں کو علم تھا کہ ان کے بعد ایسے مسلمان ہونگے۔ جو اس تعلیم پر کاربند نہیں ہوسکینگے لہذا اصل عملی تعلیم کو محض دنیاوی لوگوں کی خاطر ظاہر نہ فرمایا۔ اور اس بات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ تاکہ جس وقت ایسا وقت آئے۔ جو یہ تعلیم دنیا میں ظاہر کرنی مناسب ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس وقت خود ایسے سامان فرما دینگے۔ جو یہ تعلیم دنیا میں ظاہر ہو کر ہر خاص و عام کو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

قارئین آج بفضل خدا کتاب کے پہلے حصہ کی کتابت بالکل ختم ہوگئی ہے۔ اور مجھکو اس عرصہ میں جس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے متعلق وہ حضرات جن کو اس کام میں دخل ہے خوب جانتے ہیں۔ تاہم اس قدر ضرور عرض کرتا ہوں کہ باوجود نیت درست ہونے کے اور باوجود معاوضہ کے رنگ میں ہر ممکن طور پر وعدہ ایفا کرنے کے اسکی چھپائی میں جس قدر جلدی میں چاہتا تھا۔ وہ نہیں کرسکا۔ گوناں گوں واقعات نے اس کو تاخیر میں ڈالدیا۔ امید ہے کہ انشاء اللہ مزید طوالت سے اب بچ جاؤنگا۔ میرے پاس جو اس کے مزید حصے تحریر شدہ ہیں۔ ان کو مابعد کسی دوسرے وقت میں ڈالتا ہوں کیونکہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ابھی موجودہ کتاب کو بھی کسقدر عرصہ قبولیت میں صرف ہو۔ کیونکہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے میں نے اپنی طرف سے یہ کتاب ایک دعا کے رنگ میں تحریر کی ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ خداوند کریم اسکی مقبولیت کے راستے ضرور نکال دیگے۔

آخیر میں اُن دوستوں کا از حد ممنون ہوں جنہوں نے دراصل اس کتاب کی طیاری میں جو ممکن امداد وہ دے سکتے تھے۔ اس میں انہوں نے مناسب فراخ دلی سے حصہ لیا۔ جزاکم اللہ واحسن الجزا۔

عبد الغنی

ہدایت کے لئے نازل فرمائی۔ ممکن ہے بعض احباب یہ خیال فرما دیں۔ کہ
جس بات کو دنیا میں خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر نہ
فرمایا۔ اس کے متعلق قلم اُٹھانا حضور کی شان ختم نبوت کے منافی ہے
میرا خیال ہے۔ کہ یہ خیال درست اور واجب نہیں ہے۔ حضورؐ ان
معنوں میں خاتم النبیین تو ضرور ہیں۔ کہ احکام شریعت مکمل طور پر
اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر نازل فرما دیئے۔ اور اب نئے احکام جاری
نہیں ہو سکتے۔ مگر چونکہ کلام پاک ہر زماں کے لئے ہے۔ لہٰذا اس
میں ہر زماں کی ضرورت کے مطابق احکام شریعت موجود ہیں۔ اور
حضور اقدس کا ایک حدیث میں اس کے متعلق اشارہ ہے۔ کہ حضورؐ
نے فرمایا کہ "میری امت میں ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد اللہ تعالیٰ
تجدید دین کے لئے اُس زمان کی ضرورت کے مطابق دنیا میں نازل
فرمایا کریگا۔ جو اُس زمان کی ضرورت کے مطابق دنیا کی راہ نمائی کریگا"
انسانی طبائع چونکہ مختلف واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے بعض جو
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی صفات کے ہوتے ہیں۔ ایسے
احکام کو فوراً جو ایسے بزرگوں کی زبان یا قلم سے نکلتے ہیں تسلیم کر
لیتے ہیں۔ بعض طبائع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفات کے ہوتے
ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کی تجلی کے اظہار کے بعد مان لیتے ہیں۔ اور
بعض طبائع جو ابوجہل کی صفات اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور
اُن کے ذہن میں ایک خیالی تصویر اللہ تعالیٰ کی تجلی کی ہوتی ہے۔
اور جب وہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی مرضی کے خلاف اور ان کی خیالی
تصویر کے عین متضاد امر واقع ان کے نظر آتا ہے۔ وہ اُس کے

اسلامی تعلیم کے متعلق سورج کی طرح روشنی عطا فرما دیں۔
اسلام نے مرد کو ایک سے لیکر چار بیویاں رکھنے کا حکم دیا ہے۔
میرے خیال میں اگر انسان مکمل طور پر اسلامی تعلیم کو اپنے اوپر وارد نہ
کرلیوے۔ وہ ایک بیوی کے بھی کرنے سے قاصر ہے۔ اسلامی تعلیم کی
رو سے ایک جوان صالح مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک باصحت
عورت کے پاس اولاد کی خاطر ایک سے زیادہ مرتبہ نہ جائے۔ جب
تک کہ پہلا بچہ اس حد سے نہ نکل جائے۔ جو شریعت نے دودھ کیلئے
رکھی ہے۔ البتہ اگر عورت اپنی اغراض کے لئے چاہے۔ تو مرد کو اس
معاملہ میں مخاطب کرسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب
اسلامی جنگوں نے طول پکڑا۔ تو عورت سے ہی دریافت فرمایا تھا کہ
وہ کب تک صبر کرسکتی ہے۔ حضرت عالمگیر اورنگ زیب کے وقت
میں بھی عورتوں نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔ جب ایک طویل جنگ میں
اُن کے مردوں کو دکن میں گذر کرنا پڑا۔ اسلام نے دنیا میں مسلمانوں
کو عیش و عشرت کے لئے مزید شادیوں کی ترغیب نہیں دی۔ بلکہ
محض عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے ایسا حکم دیا ہے۔ ایک
باشرع انسان کے لئے لازم ہے کہ اس کی طاقت کسی صورت میں
ضائع نہ ہو۔ بلکہ حسب ضرورت خرچ ہو۔ یعنی ایسی صورت میں جبکہ
وہ محض اپنی اہلیہ کی مطلب براری کے لئے ملاقات کر رہا ہے۔ اسکی
طاقت کم نہیں ہونی چاہیئے۔ اور یہ بیوی کے لئے ایک نشان ہے
جس سے وہ سمجھ سکتی ہے۔ کہ آیا اس کا خاوند اُس شریعت پر عامل بھی
ہے۔ کہ نہیں۔ جو خداوند کریم نے اپنے حبیب کی معرفت دنیا کی

متعلق اپنی جھوٹی شرم کو سامنے رکھ کر اس فرض سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ تو ہم ایک بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول تو عورت کو اللہ تعالےٰ نے نسل انسانی کے بڑھانے کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ جس میں ہم روک بن کر گنہگار ہوتے ہیں ۲۔ دوئم عورت پر بھی یہ سراسر ظلم ہے۔ جو کسی صورت میں ایسی حالت میں چھ ماہ سے زائد صبر نہیں کر سکتی۔ حیرت تو اس بات میں ہے اگر شرم پہلی دفعہ مانع نہیں ہوئی۔ تو دوسری دفعہ کیسے مانع ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک جوان باصحت عورت کو اس کا خاوند کسی اپنی کمزوری کی وجہ سے طلاق دیدے۔ اس کو بھی دوبارہ شادی کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کا عقد ثانی وہی اہمیت رکھتا ہے۔ جو عقد اول میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محض بدین وجہ کہ عورت فطرۃً کمزور ہے۔ اسکو دوسرا درجہ عطا فرمایا ہے۔ اور اسکو مرد کے محکوم رکھا ہے۔ اور اس کے حقوق قبل از شادی والدین یا جو بھی سرپرست اس کا جائز موجود ہو۔ اس کے ذمہ رکھے ہیں۔ اور شادی کے بعد اس کے حقوق کی نگہداشت کا ذمہ وار خاوند کو ٹھہرایا ہے۔ یہ خیال کہ عورت بدوں مرد دنیا میں رہ سکتی ہے۔ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ بادشاہوں۔ پیغمبروں۔ اولیاؤں نے اس کی خلاف ورزی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور حتی الوسع اس فرض سے جلدی سبکدوشی حاصل کر لی۔

اسلام میں شادی شدہ عورت اگر کسی ایسے فعل کی مرتکب ہو جائے۔ جو بدکاری کی حد تک پہنچتا ہو۔ اس کی سزا ہر دو کو سنگسار کرنیکی

زمین میں بیج ڈال کر دوبارہ اس میں بیج نہیں ڈالتا۔ بلکہ اس بیج کے نشو ونما کرنے کے ذرائع مہیا کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح خاوند کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بیوی کی غور و پرداخت کرے۔ یاد رکھو جس طرح زمین کو عمدہ و برقرار رکھنے کے لئے کئی ایک سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح عورت کی صحت برقرار رکھنے کے لئے کئی سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح زمین میں بار بار بیج ڈالنے سے نہ صرف خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بلکہ پہلے اور پچھلے دونوں بیجوں کے ضائع ہو جانے کا پورا احتمال ہوتا ہے۔ عورت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

اسلام عورت کو محض خاوند کی ہوس رانی کے لئے تختۂ مشق بنانا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی مثال دیکر انسانوں کو سمجھایا ہے۔ مگر اس سے یہ مراد لے لینا بالکل لغو ہے۔ کہ جس طرح ہم زمین کو فروخت یا رہن بوقت ضرورت کر سکتے ہیں۔ عورت کو بھی کر سکتے ہیں۔ یہ قطعاً غلط اور انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اور نہ ہی دنیا میں ایسا مشاہدہ موجود ہے۔ بعض اسلام میں نام نہاد والدین لڑکیوں کی قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ اور جس جگہ وہ لڑکی جاتی ہے۔ وہ بھی اس کو ایک زر خرید لونڈی سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت اپنی وزیر کی حیثیت سے بالکل گر جاتی ہے۔ اور وہ امور جو اس کو اس حیثیت سے انجام دینے ہوتے ہیں۔ ان سے وہ بالکل محروم رہ جاتی ہے۔ جس کا اثر آئندہ نسل پر بہت برا پڑتا ہے۔ چنانچہ جن قوموں میں یہ رواج ہے ان کی عملی زندگی اس بات کی شاہد ہے۔ اگر ایک جوان باصحت عورت کا خاوند مر جائے اس کی شادی بھی بہت ضروری ہے اگر ہم اس کے

کرنا ہے۔ اس کے مقابلہ میں عورت کو تو صرف بچوں کی غور و پرداخت اور حسب ضرورت امور خانہ داری میں مرد کی ممد و معاون بننا ہے عورت چونکہ کمزور ہے۔ لہذا اس کی ذمہ داری بھی کم ہے۔ اور جس قدر ذمہ داری اس کے ذمہ میں ہے۔ وہ بالکل آسان اور سہل ہے۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ اس کے جملہ امور خانہ داری میں بھی ایک بڑا زبردست درجہ عبادت شمار فرمایا ہے۔ اور خدانخواستہ اگر اس کے برخلاف چلے تو اس کی عبادت کو بھی منظور نہیں فرمایا۔ ایک صالح عورت کو دنیا میں ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا حشر کیا ہونا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کلام مجید میں فرمایا ہے۔ کہ ہم نے جن اور انسانوں کو عبادت کے لئے دنیا میں پیدا فرمایا ہے۔ اس جگہ عبادت کے معنے صرف نماز یا روزہ کے نہیں۔ بلکہ احکام شریعت کی پوری پوری تابعداری ہے۔ عورت کے اندر اللہ تعالےٰ نے ایسی شرم ودلیعت فرما رکھی ہے۔ کہ خواہ وہ نعوذ باللہ کیسی بدکار کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے آپ مرد کو مخاطب نہیں کر سکتی۔ اس لئے خاوند کو چاہیئے کہ اپنے مذاق کے مطابق بیوی کو سمجھا دیں۔ تاکہ بغیر کسی قسم کا ایسا اظہار کئے وہ اس کو مخاطب کر سکے مثلاً دو رکعت نماز کا طرز بتا دیا جاوے جس سے دوہرا ثواب حاصل ہو سکتا ہے۔ خیر اس کے متعلق کوئی پابندی نہیں۔ کئی طریقے وضع کئے جا سکتے ہیں۔ اور ہر انسان اپنی طبیعت کا چونکہ مختار ہے۔ جس رنگ میں چاہے وہ تجویز کر سکتا ہے۔ بعض طبائع کو میرے اس مضمون کی وجہ سے اس رنگ میں ٹھوکر لگ سکتی ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد نرینہ کیوں کم تھی۔ اس وجہ کو مانتے ہوئے جو میں نے شادی کی غرض کے اندر رکھی ہے۔ حضور کے

ہے۔ مگر کنواری لڑکی کے متعلق اس جرم میں یہ سزا نہیں ہے۔ اگرچہ مرد کو ہر دو صورتوں میں ایک ہی سزا ہے۔ لڑکی کے متعلق اس کے ذمہ دار والدین ہوتے ہیں۔ یا جو جائز سرپرست لڑکی کا موجود ہو۔ وہ ہوتا ہے۔ اگر خدانخواستہ لڑکی بالکل اکیلی ہو۔ تو اسکو چاہیئے کہ وہ ایسا فعل نہ کرے۔ بلکہ وہ اپنے جذبات کے ماتحت ایسے مرد سے شادی کی خواہش کرلیوے۔ مرد اگر اپنے قول کا سچا ہوگا۔ تو ضرور شادی کرلے گا دوسری صورت میں ایسے انسان سے پرہیز بہتر ہے۔ تاکہ آئندہ زندگی خراب نہ ہو۔

عورت کو بدکاری میں مبتلا ہونے کی ضرورت مجبوری سے ہوتی ہے۔ اگر وقت پر اس کی شادی ایک تندرست انسان سے کردی جائے تو وہ اس گناہ سے بخوبی بچ سکتی ہے۔ دنیا میں خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو عمل کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس کی جزا و سزا بعد میں رکھی ہے۔ اس دنیا میں نمونتاً کچھ نہ کچھ ثمرہ ملتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بدکار مرد و عورتیں کئی اقسام کی موذی امراض کا شکار ہوتی ہیں۔

ہمارے ملک میں موجودہ حکومت کی وجہ سے عورتوں کا بہت دور ہے۔ اور عورتیں اپنی پوزیشن سے زیادہ کام کر جاتی ہیں۔ حالانکہ اگر ان کو اپنی حیثیت کا پورے طور پر علم ہو جائے تو اُن کو دنیا میں بہت کم مشکلات کا سامنا ہو۔ ایک مسلمان عورت ایک مسلمان مرد کے ساتھ بڑی آسانی سے اپنی زندگی بسر کر سکتی ہے اور اس کے حقوق کی حق تلفی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اپنے جملہ حقوق کا مطالبہ اس کے اپنے ذمہ میں ہے۔ مرد کو تو ہر حالت میں اس کے مطالبہ کو منظور

پھر خداوند تعالٰے کلام پاک میں یہ تاکیدی حکم دیا ہے۔ کہ اگر تم ان سے شادی کرو تو تمہارے لیئے یہ بہتر ہے۔ موجودہ دور زمانہ میں عورتیں جنگ میں حصّہ لیتی ہیں۔ اور محکمہ جاسوسی میں انکا ایک خاص حصّہ رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ جن کاموں کو مرد کرنے سے قاصر ہیں وہ صنف نازک آسانی سے کر لیتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلامی تعلیم بہ صورت گرفتاری اُن کے لئے بہت مفید ہے۔ ورنہ آج کل تہذیبی دنیا عورت کو بھی بصورت گرفتاری توپ دم کرنے سے گریز نہیں کرتی۔ اسلامی حکمران باوجود ایسے واقعات کے عورت کے ساتھ بصورت گرفتاری اسلامی تعلیم کو مانتے ہوئے ایسا سلوک ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔

عورت کو تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ کہ نہیں ؟ میرے خیال میں مسلمان والدین کو سب سے اول لڑکی کو مذہبی تعلیم سے باخبر کرنا چاہیئے تاکہ لڑکی آئندہ زندگی میں اپنے آپ کو بدراہی سے بچا سکے۔ اور اپنے بچوں کو بھی مذہبی تعلیم سے بہرہ ور کر سکے۔ مابعد اس قسم کی تعلیم جس سے وہ اپنے ماحول میں کام کرنے کے قابل ہو جائے دینی چاہیئے۔ یہ یاد رہے کہ روزی کمانے کے خیال سے عورت کو ہرگز ہرگز تعلیم نہیں دینی چاہیئے بعض دوستوں کو شاید یہ خیال ہوگا۔ کہ بعض پیشے دنیا میں ایسے ہیں۔ جو صرف عورت ہی کر سکتی ہے۔ اور اس سے اگر عورت روزی کما لیوے تو کوئی حرج نہیں مثلاً دائیہ کا پیشہ ۔ مگر دوستوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بچے کوئی دائی یا لیڈی ڈاکٹر کی برکت سے نہیں پیدا ہوتے ۔ بلکہ قدرت نے اس کے لیئے قدرتی سامان پیدا کر دیئے ہوتے ہیں۔ تکلیف صرف خود بنانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ہماری بودو

اولاد بہت زیادہ ہونی چاہیئے تھی۔

اس کی اول وجہ تو سورہ اخلاص پر غور و فکر کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دوئم حضور نے عین جوانی کا زمانہ ایک عمر رسید د بیوہ کے ساتھ گذارا۔ اور ایک عام فہم انسان اس کے متعلق وہم بھی نہیں کر سکتا بشرطیکہ وہ ضد و تعصب سے بالکل پُرنہ ہو گیا ہو۔ کہ حضور نے شادیاں اپنی غرض کے لئے نہیں کی تھیں۔ اگر حضور کی شادیوں کی تاریخ کا مطالعہ مخلع بالطبع ہو کر کیا جاوے۔ تو حضور کی ازدواجی زندگی میں ایک پوشیدہ راز نظر آویگا۔ حضور کی جملہ بیویاں سوائے ایک کے سب بیوہ تھیں بیوہ عورت کو سنبھالنا ایک بہت مشکل امر ہوتا ہے۔ کیونکہ ذرا سی ٹھیس لگنے پر اس کو پہلے خاوند کی یاد آسکتی ہے جس کا نتیجہ خاوند کے لئے چنداں مفید نہیں ہوسکتا۔ مگر حضور کی کسی بیوی کو آپ سے رنج یا ملال تو پیدا ہونا کجا۔ تاریخ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب اپنے اپنے رنگ میں حضور کو اپنی طرف بہت زیادہ متوجہ پاتیں۔ اور ہر ایک کے ذہن میں یہ بات تھی۔ کہ حضور اقدس کو مجھ سے ہی زیادہ تعلق ہے اور اسی کا نام اتقا ہے۔ اور اسی کو شریعت اسلامی کی اصطلاح میں تقوی الہی سے موسوم کیا گیا ہے۔

اسلام نے ایسی عورتوں کے حقوق کی بھی پوری پوری نگہداشت فرمائی ہے۔ جو جنگ میں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آتی تھیں۔ ان عورتوں کو بہ طور لونڈیاں مسلمانوں کے اندر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ یاد رکھو ان کا برائے نام لونڈی ہونا ہوتا تھا۔ اور ان کو جملہ وہ آرام و آسائش میسر تھے۔ جو گھر کی بیوی کو مل سکتے ہیں۔ اور

پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ انکو درست طور پر اسلامی تعلیم کے متعلق باخبر کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد اگر وہ مجرد زندگی کو برداشت کر سکیں اور ان کی صحت بھی ایسی ہو جس سے پتہ چل سکے کہ وہ درحقیقت ایسا کر سکیں گی۔ تو توکل بخدا اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ تاہم اپنی طرف سے ان کو سمجھانے کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑنا چاہیئے تا سرپرست اپنی طرف سے بری الذمہ ہو سکیں۔ کیونکہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ کا قانون کب اُن پر وارد ہو جائے۔ اس لیئے اپنی طرف سے پوری کوشش ہونی چاہیئے۔ کہ وہ دوبارہ شادی پر رضامند ہو جائے۔ مگر چونکہ اسلام میں کسی صورت میں جبر نہیں ہے اور منشا الٰہی بھی یہی ہے۔ کہ اپنی طرف سے تم درست طور پر سمجھا دو۔ اگر وہ چاہے اسکو قبول کر لیوے۔ چاہے تو نہ کرے۔ اور ہم اسکو اس کی نیت اور آئندہ عمل کے مطابق ثمر دیں گے۔

اس میں شک نہیں ہے۔ بعض حالات میں عورتوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں دنیا میں کیئے ہیں۔ مگر اُن کی مثال گنتی کی ہے۔ چند ایک عورتوں کی مثال سے ہم یہ اخذ نہیں کر سکتے ہیں۔ کہ عورتیں ایسے کام جو مرد انکو کرنے ضروری ہیں وہ کر سکتی ہیں۔ جس قوم یا ملک میں یہ رواج جاری ہوں۔ تو یہ اس کی ایک زبردست بدقسمتی کی نشانی ہے۔ آج تک کسی مہذب یا غیر مہذب فرقہ یا ملک نے باقاعدہ عورتوں کی کوئی فوج تیار نہیں کی۔ عورتوں نے بعض حالات میں ہسپتال وغیرہ میں زخمیوں کی خدمات میں حصہ لیا ہے۔ آج کل ہوائی جنگوں نے عورتوں کو اس معاملہ میں

باش کا نتیجہ ہے۔ جو اس میں ہم پریشان ہوتے ہیں۔ کیا کبھی بیکانیر کی بھیک منگوں یا ادنیٰ کام کرنے والے لوگوں کو آپ نے دیکھا ہے اُن کی عورتیں راستہ چلتے چلتے بچہ جن لیتی ہیں۔ اور بچے کو پونچھ کر اپنی کمر سے باندھ لیتی ہیں۔ اور ان کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ ان کو دائی چھوٹ نرم بستر وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ دراصل جوں جوں نسل انسانی آرام طلب ہوتی گئی ویسے ہی یہ تکلیفیں بڑھتی گئیں۔

میرا مطلب اس سے یہ نہیں کہ ہم گھر بار چھوڑ کر جنگل میں چلے جائیں۔ بلکہ میرا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ ہم کو ضرورت سے زیادہ آرام طلب نہیں ہونا چاہیئے۔ اور قدرت سے ہر ایسا فائدہ جو میسر آسکے اُٹھانا چاہیئے۔ اور اپنی نئی نئی اختراع سے اپنے آپ کو مزید مشکلات میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔

اندنوں استانی کا پیشہ بھی ایک عمدہ پیشہ شمار کیا جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ ایک بڑا اہم پیشہ ہے۔ اور استانی کا اپنا کیرکٹر بچوں پر بڑا اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کا علاج سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ بچوں کو پہلے دین کی تعلیم سے باخبر ہونا چاہیئے۔ اُستانی کسی صورت میں مجرد نہیں ہونی چاہیئے۔ اور خاوند بیوی کو ایک جگہ رکھنے کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور استانی اور شوہر دونو تعلیم دین میں ماہر ہونے چاہئیں۔ ورنہ نعوذ باللہ نتیجہ بجائے مفید ہونے کے برعکس ہونے کا بہت خطرہ ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ باصحت عورت کے لئے اپنے جذبات پر چھ ماہ سے زائد قادر ہونا مشکل ہے۔ ہمارے ملک میں بعض بیوہ عورتوں کو بھی یہ

جلدی بخشتا ہے۔ مگر وہ یہ ہرگز نہیں چاہتا۔ کہ توبہ کا ایک لامتناہی سلسلہ پیدا کر کے اس سے کسی قسم کا فریب کیا جائے۔ وہ ایسی باتوں سے ارفع واعلےٰ ہے۔ اور انسانوں کے خفیہ در خفیہ رازوں سے بخوبی واقف ہے۔ اور کسی حالت میں بھی انسان اسکو دھوکہ یا فریب نہیں دیسکتا بلکہ تقدیر کے مسئلہ کا حل ہی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اور چونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے بندوں نے فلاں وقت ایسا کرنا ہے تو وہ اس کے لئے مناسب انتظام پہلے کر رکھتا ہے۔ اس کا غضب اس کی رحمت سے بہت کم ہے اور اس کی رحمت بہت زیادہ ہے غضب وہ اس صورت میں فرماتا ہے۔ جبکہ اس کی دنیا کو اس وجود یا وجودوں سے خواہ مخواہ نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی مشیت یہ ہی چاہتی ہے۔ کہ وہ ایسے حصے بالکل کاٹ دے جو باقی جسم کی خرابی کا باعث ہو سکتا ہو۔ دنیا میں بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ایسے حصے کاٹ دیتے ہیں۔ جس سے باقی جسم کے خراب ہونیکا اندیشہ ہو۔ ڈاکٹر تو اپنے اندازہ میں غلطی کر سکتے ہیں۔ مگر وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ حکیم مطلق ہے۔ لہذا اس کی رحمت کی امید رکھنی چاہیئے۔ اور اس کے حکموں سے سرتابی کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ تاکہ انسان ابوجہل کے زمرہ والے لوگوں میں شامل نہ ہو جائے۔

اللہ تعالےٰ کے فضل ورحم کے ساتھ

خاکسار

عبدالغنی

بالکل بیکار کر دیا ہے۔ قدرت نے ان کا دل بہت نرم اور نازک بنایا ہے۔ وہ فطرۃً سخت کاموں میں حصّہ لینے سے معذور ہیں۔ اور اُن سے سخت کام لینا ان پر ظلم اور قانون قدرت کے منافی ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں۔ بوڑھوں اور عورتوں کو جنگ سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ کلام مجید سے بھی یہی تعلیم معلوم ہوتی ہے اللہ تعالےٰ نے مومن مرد کی شان میں یہاں تک فرما دیا ہے۔ کہ وہ ایک ہزار پر بھاری ہوتا ہے۔ عورتوں کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا۔ کہ اگر سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورتوں کو حکم دیتا۔ کہ وہ اپنے خاوندوں کو اور بیٹوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنی ماؤں کو سجدہ کریں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ بیوی اور ماں ہونے کی حیثیت سے عورت کا کس قدر اہم مسئلہ ہے۔ یہ بخوبی سمجھ لینا چاہیئے کہ جس قدر کسی احکام شریعت کی اہمیت زیادہ ہے۔ اسی قدر اس کی خلاف ورزی سنگین جرم ہے۔ اللہ تعالےٰ انسانوں کو سمجھانے کی توفیق ضرور عطا کرتا ہے۔ مگر نہ سمجھنے سے سخت گرفت کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے احکام دنیا میں اسی وقت ظاہر کئے جاتے ہیں۔ جب منشاء الٰہی دنیا کو اُن پر چلانے کی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ انسان کو اُس نے فعل مختار بنایا ہے۔ اس میں اس پر کسی قسم کا جبر نہیں۔ بلکہ اس کو کھلے طور پر واضح کر دینے کے بعد احکام شریعت کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ محتاج نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خزانے ہمیشہ بھرپور رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی جب بندہ عاجزی سے اس کے در پر گرتا ہے۔ تو وہ معاف بھی بہت جلد کر دیتا ہے۔ بلکہ گنہگار کو

ڈاکٹری، حکمت و وکالت

اسلامی نکتۂ نگاہ سے

صانع حقیقی نے جب دنیا کو بنایا تو اپنی حکمت کاملہ کے ماتحت لوگوں کو روزگار کے وسیلہ روزی حاصل کرنے کے کئی طریقے بھی سمجھا دئے۔ تاکہ لوگوں کو اپنی روزی کمانے کے لئے کسی قسم کی تکلیف بھی نہ ہو۔ اور دنیا کا کام بھی چل نکلے۔ اس میں سے میں صرف مندرجہ بالا پیشوں کے متعلق چند ایک باتیں جو میری سمجھ میں آئی ہیں۔ ان کے متعلق تحریر کرتا ہوں۔

درحقیقت اللہ کریم چونکہ حکیم مطلق ہے۔ لہذا شفا کا کام تو محض اس نے اپنے قبضہ و قدرت میں ہی رکھا ہے۔ انسانی مشینری کو ایسے سانچے میں ڈھالا ہے۔ کہ اس میں ہر رنگ کا مادہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ غریب لوگ جب کبھی بخار وغیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں تو انکو اکثر ڈاکٹر حکیم وغیرہ کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح زمیندار بھی اکثر معمولی بیماریوں میں دوا وغیرہ سے لاپروا ہوتا ہے۔ قدرت خود بخود اس کا علاج کر دیتی ہے مگر امرا و دولتمند لوگوں کیواسطے ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو قدرت سے الگ رہتے ہوئے دواؤں وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس میں بھی جہاں تک ان کی جدت کام دیتی ہے وہ ہر ممکن طریقہ علاج میں خرچ کرتے ہیں۔ جو سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اکثر ڈاکٹروں اور حکیموں کو بدلتے رہتے ہیں۔ اور اسی طرح جس جس کے مقدر میں ان کی جیب سے پیسہ

نوٹ :۔ یاد رکھنا چاہیئے ۔کہ انسانی تدبیر اسی وقت کامیاب ہوتی ہے ۔جب انسان اللہ تعالیٰ کے ماتحت چلنے پر رضامند ہوجاوے اور اپنے دماغ کو درست اور صحیح طور پر چلانے کی نیت کر لیوے ۔ ورنہ اللہ تعالےٰ کی شریعت کسی انسان کی پرواہ نہیں کرتی ۔کیونکہ خداوندکریم قادرِ مطلق بھی ہے ۔ اور انسانی تدابیر کسی حالت میں اس کے راستے میں روک نہیں بن سکتی ۔ بلکہ انسانی تدابیر سے انسان خود ہی اپنے آپ کو پھنسا لیتا ہے ۔کیونکہ انسان کمزور ہے ۔ لہٰذا اس کی تدابیر بھی کمزور ہوتی ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں سوائے اسکے کہ اُس کے حضور عاجزی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے عاجزی سے وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے فضلوں کی بارش نازل فرمادیتا ہے ۔

بچے کے لئے زیادہ زندہ رہنا بجائے فائدے کے نقصان دہ ہوتا ہے۔ بڑے آدمی کے لئے تو مرنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اکثر اپنے جملہ دنیاوی امور کو سرانجام دینے کے بعد دنیا سے کوچ کرتا ہے اور اس کا مزید زندہ رہنا درست نہیں ہوتا۔ جوان کی موت ایسی صورت میں ہوتی ہے۔ کہ جب اس کی زندگی سوسائٹی پر ایک بوجھ ہوتی ہے۔ اور خود اس کے عزیز و اقارب کو بھی اس کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اس میں شک نہیں۔ کہ ہر موت کے وقت قدرتی طور پر انسان کو جیسا جیسا مرنے والے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے ویسے ویسے رنج ہوتا ہے۔ کمزور طبائع ضرورت سے زیادہ گریہ وزاری بھی کرتی ہیں۔ مگر کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک انسان کے مرنے کے بعد دنیا کا کاروبار بند ہوگیا ہو۔ دنیا کا اور اس کے عزیز و اقارب کا کام ویسے ہی چلتا ہے۔ اور تا قیامت چلتا رہے گا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ صانع حقیقی کا وہ فعل کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ عین حکمت کے ماتحت ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی۔ کہ موت کا علاج تو ڈاکٹر و حکیم بھی کرنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ جب خود اُن پر وہ وقت آتا ہے سوائے اس بات کے کہ چپ چاپ قدرت کے اس بظاہر تلخ پیالہ کو بہ رضا و رغبت پی لیں اور کچھ نہیں کرسکتے۔ سوائے اس کے وہ یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ کہ قدرت کا کام ہے۔ موت کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ہاں جب مریض شفا پا جاتا ہے تو اس وقت ضرور اپنے سابق تجربہ کا اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ اپنے سابق تجربہ کا یقین دلا کر لوگوں کے دل میں اپنی عظمت کا سکہ بٹھا کر اپنی روزی کی زیادتی میں ممد بن سکیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہہ دیں کہ شفا بھی قدرت نے ہی دی ہے۔ تو ان کے خیال میں ان کی روزی میں کمی آتی ہے۔ حکمت کسی حد تک ایک قدرتی طریقہ علاج مانا جاسکتا ہے

لینا ہوتا ہے۔ ان کو رزق پہنچانے میں ممد و معاون بنتے ہیں۔ حالانکہ ذائل اکثر وہ
بھی مولا کریم کے ہی ہیں۔ اور اسی طرح اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق صدقہ و خیرات بھی
کرتے ہیں اس کے متعلق بھی میرا وہی مفہوم ہے۔ جو میں نے ڈاکٹروں اور حکیموں
کے رزق متعلق ابھی ذکر کیا ہے۔ آخر اگر مقدر میں شفا ہوتی ہے۔ تو مریض کو شفا ہو
جاتی ہے۔ اگر وہ خدانخواستہ مرض الموت میں مبتلا ہوتا ہے تو ڈاکٹر و حکیم بھی اس
کے متعلق کوئی علاج نہ آج تک سوچ سکے ہیں اور نہ آئندہ وہ کرنے کے قابل ہو
سکیں گے۔ کیونکہ رزق اور موت اللہ تعالےٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ اور
اس آہنی پنجہ موت سے بڑے بڑے رسول و اولیاء اللہ اور بادشاہ بھی نہیں بچ
سکے۔ اور نہ کبھی ایسا خیال بھی کرنا چاہیئے۔ کہ وہ اس پر قادر ہو سکیں گے۔ موت
کے متعلق میں اتنا ضرور عرض کرونگا۔ کہ اس کا وقت حکیم مطلق نے مقرر کر رکھا ہے
اس میں اس کی حکمت ایسا کام کرتی ہے کہ وہ انسان کو موت درحقیقت اس
وقت دیتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ اب اسکی ضرورت دنیا میں نہیں ہے۔ اور
اس کا اپنا پارٹ دنیا میں ختم ہو گیا ہے۔ یا اس کی مزید زندگی سے بجائے فائدہ
کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس میں بچے بوڑھے اور جوان سب شامل
ہیں۔ بچوں کی موت اول تو خود والدین کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ وہ اُن کی
غور و پرداخت صحیح طریقہ سے کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ
کریم کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ یا تو ایسے بچے کو لے جاوے یا پھر والدین میں
اگر دونوں بچوں کی غور و پرداخت کے نا قابل ہوتے ہیں لے جاوے۔ یا جو بھی
اس کی حکمت کاملہ کے ماتحت اس میں روک ہو اس کو لے جاوے۔ بعض وقت
قدرتی حادثات ایسے ہو جاتے ہیں۔ جن سے بچے کے اعضا بالکل کمزور ہو جاتے
ہیں۔ اور ان میں نشو و نما پانے کی طاقت بالکل نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں

اگر صحت کی طرف راغب کرلیا جاوے۔ تو مریض یقیناً بالکل صحتیاب ہوجائیگا۔ مرض کا شک جب اس سے بالکل جاتا رہیگا۔ تو وہ اپنے دل و دماغ اور جسم میں ایک اعلیٰ درجہ کی تازگی پائیگا۔ وہم یا مراق ایک خیالی مرض ہے۔ لہذا اسکے متعلق حکما کا قول ہے۔ کہ اس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں یا قدرتی طریقہ علاج یعنی اپنے خیالات کو درست رکھنا ضروری ہوتا ہے چاہے مریض کے خیالات کو بدلنے کی کتنی کوشش ہو۔ مگر جب یہ وہم اس کے دل سے نکل جائے۔ دوبارہ اس کے دل میں یہ خیال داخل نہیں ہونا چاہیئے۔ اس وقت یہ خیال کرلینا چاہیئے۔ کہ اب مریض کو بالکل صحت ہے۔ ویسے تو ہر مرض میں شفا مولا کریم ہی کے فضل سے ہوتی ہے۔ مگر خصوصاً یہ مرض تو کلیتہً کسی دوائی کا محتاج نہیں ہے۔ اس لئے ہم بہ ظاہر بھی اس کے لئے کسی دوائی کا استعمال نہیں کرتے۔ اکثر امراض غذا کی کمی بیشی سے محض معدہ کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے غربا کو بیماری نسبتاً امرا سے کم آتی ہے۔ اور مزید برآں امرا کی طبیعت بھی بہت نازک ہوتی ہے۔ بدیں وجہ ان کی چھوٹی سے چھوٹی بیماری غریب کی بڑی سے بڑی بیماری سے تناسب کرجاتی ہے۔ اس میں کسی حد تک وہم کا اثر انسان پر ہوتا ہے۔ امیر کو باوجود صحت ہوجانے کے بعد کئی روز تک ڈاکٹر صاحب کی زیر ہدایت دوائی وغیرہ کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ڈاکٹری طریقہ علاج نے اس وقت بڑی زبردست ترقی کرلی ہے۔ اور ڈاکٹروں نے کئی قسم کے آلہ جات کی مدد سے مریض کی مرض کی شناخت کرنے میں پوری تگ و دو کی ہے مگر کیا اُن کے آلہ جات ان کی درست طور پر امداد کرتے ہیں۔ اس کا جواب سوائے اس کے دوسرا نہیں ہے کہ جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے اس وقت یہ سب بیکار ہوجاتے ہیں۔ اور کوئی طاقت اس وقت مریض کی مدد نہیں کرسکتی۔ یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ قدرت کا بھی اس میں یہی

کیونکہ اس میں بہت کم ضرورت پڑتی ہے۔ جو انسان قدرتی عطا کئے ہوئے اعضاء میں کمی بیشی کرتا ہے۔ بلکہ ڈاکٹری علاج جو اپریشن وغیرہ سے کیا جاتا ہے۔ اس میں ڈاکٹر قدرت کے عطا کئے ہوئے جسمانی حصہ کو بے کار خیال کر کے نئی طرز پر اس میں روح پھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طریقہ علاج میں چنداں فائدہ نہیں پڑتا۔ عارضی فائدہ اس کا ضرور ہو جاتا ہے۔ جو محض قدرت کی اپنی رکھی ہوئی صفات کے ماتحت ہوتا ہے۔ مگر مستقل فائدہ نہیں ہوتا۔ عارضی فائدہ بھی اسی قدر ہوتا ہے۔ جو قدرت نے درحقیقت اُس مادہ میں رکھا ہوا ہے۔ سائنس کی ترقی سے یہ سربستہ راز روز بروز دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ میرے نزدیک اگر اس غیر قدرتی علاج سے پرہیز کیا جاوے تو زیادہ مفید ہے۔ جب اپریشن کے ذریعہ جسم کے کسی حصہ کو کاٹتے ہیں۔ اول تو خون اس کثرت سے نکلتا ہے۔ جس کا دوبارہ پیدا کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ مزید برآں کاٹنے میں اکثر کاٹ درست نہیں ہوتی۔ بلکہ بسا اوقات بہترین حصہ بھی کاٹ میں آجاتا ہے۔ اگر کاٹ درست ہو جائے۔ تو ارد گرد کے اعصابی حصہ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا نمایاں اثر انسان کی صحت پر رہتا ہے۔ جو سانس کی رفتار میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مولا کریم نے انسان کی پیدائش میں اس کی عمر کا اندازہ اس کے سانسوں سے مکمل کیا ہے۔ چنانچہ سانس کی زیادتی سے عمر کم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی کمی سے بھی صحت پر اثر پڑتا ہے۔ اگر اوسط درجہ پر رہے تو صحت کو درست سمجھنا چاہیئے۔ بعض بیماریاں انسانی وہم کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ یعنی انسان کے دل میں ایک وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بیمار ہے۔ اور مرض مراق بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ اس میں اگر انسان یا تو خود اپنے خیالات کو صحت کی طرف منتقل کر لیوے۔ یا اور کسی بیرونی ذریعہ سے اس کے خیالات کو

ہیں ایک ملک کے انصافی محکمہ میں ان کی دادرسی کے لئے پیش ہوتے ہیں۔ اور ہر طرف
کا وکیل اپنے موکل کو حق بجانب قرار دینے کے لئے مختلف رنگوں میں قانون کی
توضیح کرتا ہے اور جج کو یقین دلاتا ہے کہ اس کا موکل اپنے مطالبہ میں حق بجانب
ہے۔ دراصل یہ پیشہ اس واسطے قائم کیا گیا تھا۔ تاکہ محکمہ انصاف کے افسروں کو
درست فیصلہ پر پہنچنے کے لئے ایک آسانی پیدا ہو جائے۔ اور وہ اس کے
متعلق درست فیصلہ صادر کرنے پر قادر ہو جاویں۔ مگر نتیجہ بالعموم وہ نہیں نکلتا ہے
کیونکہ فریقین میں سے ایک یقینی غلط راستے پر ہوگا۔ مگر باوجود اسباب کے چونکہ
وکیل صاحب نے چونکہ مقررہ فیس لی ہوئی ہوتی ہے۔ اور وہ جھوٹے کو سچا ثابت
کرنے سے اپنی کارگردگی میں چار چاند لگاتا جاتا ہے۔ اور اس سے اس کی شہرت
دنیا میں بہت ہوتی ہے اور جو سچا ہوتا ہے۔ اس کو اگر سچا ثابت کر دیا۔ تو دنیا میں
اس کو کمال نہیں مانا جاتا۔ بلکہ کمال تو یہ ہے کہ جھوٹے کو سچا ثابت کر دیا جائے تاکہ
موکل دنیا میں جا کر وکیل صاحب کی پچھے دار تقریر کی مداح کرے۔ کیسا بھیانک
خیال ہے۔ اور پھر یہ بات اللہ تعالیٰ پر ڈال دی جاتی ہے۔ کہ نعوذ باللہ وہ
خود اس کا ذمہ وار ہے اس میں شک نہیں کہ بد ارادہ کرنے سے بدی کی توفیق مل
جاتی ہے۔ اسی طرح نیک ارادہ کرنے سے نیکی کی توفیق مل جاتی ہے۔ کیا ہی اچھا
ہو۔ اگر دونوں وکیل مل کر فریقین کو درست مشورہ دیکر ان کا فیصلہ کرا دیں۔ یاد رکھنا
چاہیئے۔ کہ روزی رساں مولا کریم ہے۔ انسان اگر اس پر عمل کرے تو مولا کریم اس کی
روزی ضرور کشادہ فرما دیتے ہیں۔ مگر بعض حالتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ
بعض طبائع درست طور پر اپنے اصل حال وکیل سے بھی اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو بھی لاعلمی
میں رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں وکیل ذمہ وار نہیں ہوتا۔ بلکہ مدعی یا مدعا علیہ خود
ذمہ وار ہوتا ہے کیونکہ وکیل کی ذمہ واری تو اس قدر ہی ہے۔ کہ جس طرز پر واقعات

راز ہے کہ جب انسان کی موت دنیا میں واقع ہوتی ہے۔ اس وقت درحقیقت اس کی دنیا میں ضرورت نہیں ہوتی۔ لہذا اس کا علاج بھی قدرت نے کوئی نہیں بنایا۔ چنانچہ اگر اس امر پر بخوبی غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ موت عین درست وقت میں ہر ایک گذرے ہوئے انسان کو دی گئی ہے۔ اور مرض انسان کی اپنی ہی غلطی سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے تحریر کر آیا ہوں۔

وکالت کا پیشہ بھی ایک اہم پیشہ ہے۔ وکالت کئی قسم کی ہے۔ شادی کے وقت میں جو فریقین کی طرف سے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کو بھی وکیل کہتے ہیں۔ جو فریقین کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ بھی بڑا ایک اہم کام ہے۔ میرے نزدیک اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ایسے امر میں فریقین کی آئندہ نسل کا دارومدار ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شادی کے بعد جب زیادہ عرصہ گذر جائے۔ اور وہ دونو صاحب اولاد ہو جائیں تو فریقین کو خود اپنے معاملہ میں سوچ بچار کر لینی چاہیئے۔ میرے ناقص خیال میں تو کسی قسم کا جھگڑا ہونا ہی نہ چاہیئے۔ کیونکہ اس کا اثر سب سے زیادہ اولاد پر ہوتا ہے۔ جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ والدین کی اس بے احتیاطی کا شکار ہوں۔ سو ایسی صورت میں ان کو بھی اچھی طرح سوچ بچار کرنا ضروری ہے۔ اور ایسے وقت میں وکیل اگر موجود ہوں تو ان کو بھی مناسب ہے کہ وہ درست رائے ظاہر کر کے فیصلہ کریں۔ ہر ایک طرح دیکھ بھال کر فیصلہ کرنا مناسب ہے۔ اور اپنی طرف سے نیک اور درست مشورہ دینا مناسب ہے۔ تاہم زبردستی منوانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ فریقین کے سامنے اپنی رائے رکھ کر ان کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ تا کہ وہ جو مشورہ اپنے لئے مناسب خیال فرماویں۔ اختیار کر لیویں۔

آج کل وکالت ایک مستقل پیشہ بھی ہے۔ جو لوگوں کی طرف سے ایک مقررہ

لاحاصل ہے کیونکہ اگر دعویٰ کنندہ حق پر ہوا تو سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں ملتا کیونکہ اللہ تعالیٰ دونوں صورتوں میں کافی ہے۔ اگر مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے تو چاہے کوئی کیسا ہی بے یار و مددگار ہو۔ بلکہ بالکل لاچار و بے بس ہو۔ اللہ تعالےٰ اپنی طاقت سے اس کو سب دنیا میں فائق اور بلند فرما دیتا ہے۔ اس کے دشمنوں کو تباہ و خستہ حال فرما دیتا ہے اگر خدانخواستہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ تو بھی مولا کریم اپنی مشیت کے مطابق سزا دیتا ہے اور ایسے انسان کو ہرگز ہرگز دنیا میں پھلنے نہیں دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر چل کر ایک عقلمند انسان کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی مثالیں قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرما کر اسی لحاظ سے ڈرایا ہے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے بھی اور ان کے مابعد خلفا کی زندگی سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ میرے خیال میں آزمودہ را آزمودن جہل است۔ ایک مسلمان کے لئے یہ ایک کھلی ہوئی شاہراہ ہے جس پر چل کر یقیناً اسکو کامیابی ہے — اللہ تعالیٰ درحقیقت کسی کا عزیز نہیں ہے۔ بلکہ ہم اپنے اعمال سے ہم اسکو عزیز بناتے ہیں جس قدر اعمال گندے ہونگے۔ اسی قدر ہم اسکو اپنے سے دور کریں گے۔ جس قدر اعمال اچھے ہونگے اسی قدر ہم اس کے نزدیک ہوتے جائیں گے۔

دنیا میں بھی وکیل ہیں جن کے متعلق میں پہلے مفصل تحریر کر چکا ہوں میرے نکتہ نگاہ سے ان کو کیا کرنا چاہیئے۔ باقی اسلام نے اپنی حکومت کے دوران میں محکمہ قضا یا محکمہ انصاف اس کے متعلق قائم کیا ہے۔ اور طرفین کو خود اپنے معاملہ کو قاضی کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے اور گواہ متعلقہ بھی پیش کرنے پڑتے ہیں۔ اس عہدہ پر بڑے بزرگ اور جلیل القدر انسان کو نامزد کیا جاتا رہا ہے

اس کے سامنے پیش کئے جاویں۔ اسی کے مطابق صحیح رائے قائم کرکے درست طور پر فیصلہ کرنے میں ممد بننے کی کوشش کرے۔ ہاں جس صورت میں خود اس کو بھی اصل حالات سے لاعلمی ہے اس صورت میں وہ ذمہ وار نہیں ٹھہرتا۔ اللہ تعالےٰ بھی جب احکام شریعت دنیا میں جاری کرنا چاہتا ہے تو رسول یا نبی یا اولیا اللہ کو دنیا میں نامزد فرماتا ہے۔ ان کو بھی دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وکیل کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ قادرِ مطلق ہے اور دین و دنیا کے کل سامان وانسان جن وغیرہ سب اللہ تعالےٰ کے ماتحت ہوتے ہیں اس لحاظ سے ایسے انسان کی وقعت اس کے کام کی نوعیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بڑی عظیم الشان ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ خود ایسے انسان کی امداد کے لئے سامان مہیا فرماتا رہتا ہے۔ جب ایسا انسان دنیا میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کی مخالفت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ انسانی طبائع اللہ تعالےٰ کو بھی اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہیں۔ اور جب وہ اس میں ناکام و نامراد ہوتے ہیں۔ تو ان کا غصہ و رنج بہت بڑھ جاتا ہے۔ حکمت الٰہی ایسی ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ کی وجہ سے اُن کی قوتِ ادراک و فہم سلب ہو جاتی ہے اور وہ ایسے ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے وہ گونگے ہیں۔ بہرے ہیں۔ اور اندھے ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کا نتیجہ صاف ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو نامراد فرما دیتا ہے اور ان کی ہلاکت سے دنیا کو بتا دیتا ہے کہ وہ قابلِ ہلاکت ہی تھے۔ لہذا جب کبھی انسان اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنے کا دعوےٰ کرے اول تو میرے خیال میں اس کی بات کو فوراً مان لینا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ جھوٹا ہوتا ہے تو مولا کریم خود ہی اس کے لئے کافی ہے انسان کو اپنی طرف سے کوشش کرنی بے سود بلکہ

ہونا چاہیئے ۔ انسان کے لئے لازم ہے ۔ اپنے گرد و پیش کے حالات سے اور خود اپنے حالات سے ، اپنے واقعات کو صحیح طور پر سمجھ کر لائحہ عمل طیار کرے ۔ ایسا کبھی خیال نہ کرے ۔ کہ وہ اپنے حالات کے بغیر سوچے سمجھے جھٹ پٹ ایک کام کر ڈالے ۔ بلکہ کسی کام کو کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح غور کرلے ۔ اور پھر اللہ تعالےٰ کے حضور بڑی زاری سے اپنی کامیابی کے لئے دعا مانگیں ۔ اللہ تعالےٰ دعاؤں کو سنتا ہے اور خوب اچھی طرح سنتا ہے مگر ہدایت چونکہ ایک ایسی چیز ہے جس کا میسر آنا محض اپنے اعمال کے نتیجہ میں ہوتا ہے ۔ لہٰذا وہ لوگ جن کے دل پہلے ہی سخت زنگ آلودہ ہیں ۔ ان کو ہدایت کا ملنا بہت مشکل ہے ۔ بلکہ ناممکن ہے ۔ ہاں دعا کرنے والے کو اس کی نیت اور دعا کا نتیجہ اللہ تعالےٰ ضرور دیتا ہے ۔

محکمہ انصاف پولیس

اسلامی حکومت میں بھی اور دنیا میں بھی ان محکموں کی ضرورت رہی ہے اور یہ ہمیشہ قائم کئے جاتے ہیں ۔ ہاں کام کی نوعیت میں فرق ہے ۔ اسلامی شریعت جب جاری ہوتی ہے ۔ تو محکمہ انصاف کو شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا پڑتا ہے ۔ مگر جب حکومت غیر اسلامی ہو ۔ تو وہ اپنے طور و طریقہ خود اختراع کرکے فیصلہ کرتی ہے اور قانون کو منواتی ہے ۔ پہلے دنیا کی مثال غیر اسلامی حکومت کے متعلق لکھتا ہوں ۔

ہر ایک ملک کی حکومت کو وہاں کے لوگوں کے حالات کے مطابق قانون بنانے پڑتے ہیں پھر آزاد ممالک کے قانون اور محکوم ملکوں کے قانون میں بھی فرق ہوتا ہے ۔ کیونکہ حاکم کو محکوم کے سامنے اپنے امتیازی حالات کے

جو نہ تو کسی طرح مرعوب ہو سکے۔ اور اپنے فرائض پر ہر صورت میں ادا کرنے پر قادر ہو۔ اور حاکم صوبہ کے ساتھ قاضی کے تعلقات کو تقریباً مساوی رکھا ہے تا کہ دونوں ایک دوسرے سے خائف رہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ قاضی حاکم کے ماتحت رہتا ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ اگر حاکم خلاف شرع کوئی کام کرے تو قاضی اسکے متعلق بہ مطابق شرع سلوک کر سکتا ہے۔ بعض اوقات اس محکمہ سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی اس مالک حقیقی کا کوئی بھید ہوتا ہے ہاں جب ملک میں اسلامی شریعت اٹھ جاوے اور اسلام صرف نام کا رہ جاوے اس وقت کی بات الگ ہے وہ تو محض دنیا میں شامل ہیں۔ بلکہ اسلامی نام کو بدنام کرنیوالے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اور عام دنیا داروں کا کوئی فرق نہیں ہے۔ دوئم اللہ تعالیٰ اپنی تجلی سے بھی دنیا پر ظاہر فرماتا ہے یعنی پے درپے ایسے انسان کی امداد فرما کر دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی کے بعد تو ضرور اس کو مان لینا چاہیئے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی تجلی بھی اسی وقت اترا کرتی ہے۔ جب انسان اپنے دل کے گند کو صاف کرتا ہے۔ اور نیک ظن کرتا ہے۔ ورنہ وہی تجلی ایک کے لئے باعث نیکی اور دوسرے کے لئے باعث گمراہی ہو سکتی ہے کیونکہ انسانی اعمال رنگ برنگ میں رنگین ہوتے ہیں۔ ہر ایک انسان ثمرہ اپنے دل کی نیتوں کے مطابق پاتا ہے۔ جو لوگ تجلی کے بعد نہیں مانتے ان کے لئے تباہی مقدر ہے۔ محض ان کے اپنے گناہوں کی پاداش میں ان کو دین و دنیا دونوں میں نامرادی ملی ہے۔ ان کے لئے جائے افسوس ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالےٰ نے اس دنیا کو دائرہ عمل بنایا ہے۔ ہمارے اعمال ہماری نیتوں پر منحصر ہیں۔ جس قسم کی نیت ہم کریں گے۔ ویسے ہی اعمال ہم سے سرزد ہونگے۔ ان کا نتیجہ اگر ہم کو ملے تو ہم کو اس کے متعلق ذرا متوحش نہیں

کہ اسلامی شریعت کے ان محکموں نے کیا کیا کام کیا۔ اس کے بیان کرنے سے پہلے
میں مختصر سی روئداد بیان کردوں۔ کہ اسلامی فوجوں نے جب کسی علاقہ کو فتح کرنے
کے بعد ان لوگوں کو امان دیدی۔ جنکو اسلامی اصطلاح میں ذمی کہتے ہیں۔ تو
ان کی پوری پوری محافظت کی۔ جب دشمن نے ان کی زمینوں پر کوئی ظلم کیا
یا کرنا چاہا تو اس کا پورا پورا تدارک کیا۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اسلامی تعلیم نے کیا
روح پھونکدی تھی۔ جن کے ماتحت وہ لوگ غیروں کے لئے بھی اپنی جان کی پروا
نہیں کرتے تھے۔ یاد رکھو اپنوں کے لئے تو دنیا مرسکتی ہے۔ مگر غیروں کے لئے
کون مرتا ہے۔ شاید کوئی کہدے ہماری حکومت نے بلجیم کے لئے اپنے
آپ کو خطرہ میں ڈالا۔ سو یہ خیال غلط ہے۔ جو موجودہ دنیا کے واقعات نے
صریح طور پر ثابت کردیا۔ درحقیقت انسانی اعمال چونکہ ان کی نیتوں پر منحصر ہیں
چاہے کتنا ہی چھپا کر کوئی عمل کیا جاوے۔ اللہ تعالےٰ چونکہ حکیم مطلق ہے
وہ انسان کی نیت کو ظاہر کردیتا ہے اور اس رنگ میں ظاہر کرتا ہے۔ اسکے
ماننے کے سوا انسان کو چارہ نہیں ہوتا۔

محکمہ قضا اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور وہ فیصلہ شریعت
کے احکام کے مطابق ہوتا ہے۔ جس کی وضاحت بہت حد تک تو کلام پاک
میں موجود ہے۔ کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے بھی ملتی ہے۔
اور بقایا حصہ حضور کی سنت اور حضور کے بعد خلفا کی سنت سے پتہ چلتا
ہے۔ قاضی کو چاہیئے کہ مطلع بالطبع ہو کر فریقین کے بیان سنے اور جو جرح
کے سوال اس کے دل میں پیدا ہوں ان کے متعلق استفسار فرماوے اور
دوران مقدمہ میں بھی اور فیصلہ کرنے سے پہلے اللہ تعالےٰ سے بڑے
خشوع وخضوع سے دعا مانگیں۔ اللہ تعالےٰ سے عرض کرے کہ اے رب العلمین

پیش نظر ایسا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چاہے وہ کیسے ہی پوشیدہ ذرائع اسکے متعلق ظاہر کرے۔ بلکہ یہ بھی کہدے کہ میں تم سے کسی قسم کا فرق نہیں رکھتا ہوں۔ مگر اس قدرتی بات کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی اس روش کو قدرتی طور پر زیادہ محفوظ بنانے کی کوشش کریگا۔ چنانچہ جہاں بھی حاکم و محکوم کا رشتہ موجود ہے یہ فرق نمایاں طور پر ظاہر ہے اور بڑے وثوق سے بیوقوف انسان اس کے متعلق شبہ نہیں کرسکتا ہے۔ کیونکہ گو بعض حالات میں انسان مجبور ہوتا ہے۔ کہ اپنی دلی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرے۔ مگر فرق ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ عام فہم انسان اسکو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں نہ صرف حاکم اپنے لئے قانون بھی علیحدہ طیار کرتا ہے۔ بلکہ نوعیت سزا میں بھی اور طریق سزا میں فرق کرنا پڑتا ہے۔ اول تو حاکم چونکہ غیر جگہ کا رہنے والا ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کو یہ بنانا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے قانون کے مطابق اپنے باشندوں سے سلوک کرسکتا ہے۔ پھر اس کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ ہر حال میں حاکم کا رعب محکوم پر رہے۔ اور محکوم مرعوب رہے۔ اسکو کبھی یہ خیال بھی نہ پیدا ہوسکے۔ کہ وہ حاکم کی برابری کرسکتا ہے اسکے متعلق مجھے مزید تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک فرق ہے جو کسی سے چھپنے والا نہیں ہے۔ حکومت کو مجبوری اپنا رعب قائم کرنے کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ رہائش۔ تنخواہ وغیرہ سب اس کے شاہد ہیں یہ محکمہ جات حکومت کے قانون سے مجبور ہیں۔ ان کو لازمی طور پر وقت انصاف ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس سے جو بداعتدالیاں محکمہ میں ہوتی ہیں۔ وہ بھی اظہر من الشمس ہیں۔

شریعت اسلامی نے بھی ان محکموں کو قائم کیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے۔

ملک کے غریب طبقہ کی امداد

کیسے ہو سکتی ہے

اس نظام دنیا میں مولا کریم نے نظام دنیا کو قائم رکھنے کے لئے ہر قسم کے لوگ رکھے ہیں۔ تاکہ نظام دنیا قائم رہے۔ یعنی اس جہان میں بڑے بڑے مالدار انسان بھی ہیں اور غریب سے غریب لوگ بھی ہیں۔ ایسے بھی جن کے دستر خوانوں پر رنگا رنگ کے کھانے موجود ہیں اور ہر وقت خدمت کیلئے نوکر موجود ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جن کے پاس کھانے کو نہیں ہے اور اپنا وقت ایسی تنگی سے گذارتے ہیں۔ کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسان بعض دفعہ اسباب کے سمجھنے سے بھی قاصر ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُن کی پیدائش کیوں کی۔ کیونکہ بادی النظر میں ان کی زندگی کی ہر ایک بات تلخ ہوتی ہے۔ اور انسان سمجھتا ہے کہ وہ دنیا پر ایک بوجھ ہیں۔ درحقیقت اگر انسان بنظر غور اسباب کو دیکھے۔ تو وہ بڑی آسانی سے اس بات کو حل کرسکتا ہے اگر نظام دنیا پر ایک عمیق نظر ڈالی جاوے تو یہ صاف نظر آویگا۔ کہ محکوم ملکوں میں گداگری کی آفت زیادہ ہے۔ جو ملک آزاد ہیں۔ ان میں اول تو یہ مرض ہوگا ہی نہیں۔ اگر ہوگا بھی تو خال خال۔ مثلاً ہماری موجودہ حکومت انگریزی نے اپنے ملک میں گداگری کو قانوناً جرم قرار دیدیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی ملک کے نادار اور یتیم بچوں کا انتظام کر رکھا ہے۔ تاکہ لوگ

میں بندہ ہوں لوگوں کے دلوں کے حالات سے نا محرم ہوں۔ تو میری راہنمائی فرما۔ تاکہ میں درست فیصلہ پر پہنچ سکوں۔ اللہ تعالے ضرور راہنمائی فرما دیتا ہے اگر فریقین کو سمجھانے کا موقع میسر آ سکے تو ان کو سمجھانے کی بھی پوری پوری کوشش کرے اور ان کے لئے دعا مانگے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بڑا زبردست اور ضروری محکمہ ہے اور بعض حالات میں حاکم کو بھی قاضی کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ قاضی کی ذمہ واری بہت بڑی ہے اور اس کو ایک معمولی کام سمجھ کر جلدی کرنا سخت غلطی بلکہ میرا خیال ہے کہ نادانی ہے اسلامی شریعت میں پولیس کا کام لوگوں کو گھر سے بلا کر حاکم کے سامنے پیش کرنا۔ اور لوگوں کی خبر گیری رکھنے کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں اگر ان کے فرائض کے درمیان کوئی چور اُچکا بدمعاش مل جائے اس کو ماخذ کرنا۔ اور موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اسی وقت یا صبح کو حاکم وقت کے پیش کرنا۔ موقع کے گواہ وغیرہ قاضی یا حاکم کے سامنے دینا۔ جیسی بھی صورت ہو۔ گورنمنٹ کی پولیس اور شریعت کی پولیس میں فرق ہے شریعت میں پولیس کو زیادہ تفتیش نہیں کرنی پڑتی۔ بلکہ یہ کام حاکم علاقہ یا قاضی کے سپرد ہوتا ہے۔ یا جس کے ذمہ لگا دیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ۔

مشکلات ہیں تو وہ ایسے انتظام سے دور رہتی ہے جن سے ان کو احتمال ہو کہ ملک کی بیکاری دور ہو سکتی ہے۔ یا در کھو خالی قانون پاس کرا لینے (گداگری کا انسداد) سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ حکومت زیادہ سے زیادہ کچھ عرصہ کے لئے یا ہمیشہ کے لئے جیل میں رکھ دیگی۔ اور محکوم ملکوں کی جیلوں میں بجائے انسان کے سدھرنے کے اور زیادہ خراب ہونیکا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ جیل درحقیقت اس واسطے بنایا گیا ہے۔ تاکہ جن بداخلاقیوں کی وجہ سے انسان کو سزا ملی ہے۔ وہاں جا کر وہ ان سے بچنے کا سبق سیکھے۔ مگر محکوم ملکوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ جیل سے نکلنے کے بعد اکثر انسانوں کو پولیس میں حاضر ہو کر اپنی حاضری کی رپورٹ دینی پڑتی ہے اور جب کبھی علاقہ میں کوئی واردات ہو جاتی ہے۔ تو ایسے انسانوں کو سب سے پہلے بلا لیا جاتا ہے۔ جو پہلے سزا یافتہ ہوتے ہیں۔ محکمہ پولیس جس قسم کا سلوک اُن غریبوں سے کرتا ہے۔ وہ ظاہر ہے بسا اوقات جج یا مجسٹریٹ اپنے فیصلہ میں بھی تحریر کر دیتا ہے۔ کہ سزا کے بعد اتنا عرصہ پولیس میں حاضری دے اور بسا اوقات پولیس والے خود بھی ایسے انسان کو بلا لیا کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ کہ محکوم قوموں کے لئے جیل جو بنایا جاتا ہے وہ ان کو درست کرنے کے لئے نہیں بلکہ اُن میں مزید مادہ شرارت پیدا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اور حاکم قوم کا جیل اس سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ وہاں اُن کو ایسے طریقہ سے رکھا جاتا ہے۔ کہ وہ بد اخلاقی جس کی وجہ سے اس کو جیل میں رکھا گیا ہے اس سے دور ہو جائے۔ اور وہ ایک امن پسند زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔

پھر اس کے علاوہ محکوم طبقہ میں جو لوگ حکومت کے خیالات کو سمجھتے ہوئے ملک میں دیانتداری کے ساتھ ترقی کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ ان کو حکومت وقت پولیٹیکل تبدیلی کا نام دیکر ان پر بغیر کسی قسم کا مقدمہ وغیرہ چلائے نظر بند کر دیتی ہے

مجبور ہو کر اس کام کو کرنے نہ لگ جاویں۔ اسی طرح آزاد ملکوں میں تم ایسا انتظام
دیکھو گے جس سے ملک کے غریب لوگ بھوک کی تکلیف سے بچ جاویں گے
اور حکومت نے ان کے لئے خاطر خواہ انتظام کر رکھا ہے۔ مگر محکوم ملکوں میں
مرض گداگری شدت سے جاری ہوتا ہے۔ گداگری ایک ایسا مرض ہے۔
جس سے انسان کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے اور اپنے دل کو ابھارنے کی
قدرت سے محروم ہو جاتا ہے۔ حاکم قوم کے لئے قدرتاً اس میں فائدہ ہوتا
ہے کیونکہ وہ دل سے نہیں چاہتا کہ ملک کسی رنگ میں ان پر قادر ہونے کی
طاقت پا سکے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ملک میں جہاں تک ہو سکے
ہر رنگ میں بیکاری کو بڑھانے کی کوشش جاری رکھی جاوے۔ یہ اسی صورت
میں ہو سکتا ہے کہ ملک میں گداگری کا انسداد تو کجا۔ بلکہ ملک کے کارآمد
طبقہ کو بھی بے کار رکھنے کی سعی جاری رکھی جاوے۔ تاکہ حاکم کا مقصد حل
ہوتا جاوے۔ یاد رکھو کوئی ملک اس وقت تک آزاد نہیں کہلا سکتا۔ جب
تک اس کے ادنےٰ فرد میں آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی جرأت
نہ ہو جاوے۔ دنیا میں جب کبھی انقلاب پیدا ہوا ہے۔ وہ غربا کی امداد سے
ہوتا ہے۔ جب ان کو حد سے زیادہ تنگ دکھ پہنچایا جاتا ہے۔ تو وہ پھر اُٹھتے
ہیں۔ اور کائی کی طرح دنیا پر چھا جاتے ہیں۔ اور کوئی طاقت ان کو روکنے
کی قدرت نہیں رکھتی۔ کیونکہ قدرت خود ان کی ممد و معاون بن جاتی ہے
اور ان کی امداد کے لئے خود بھی ایسے سامان فراہم کر دیتی ہے۔ اور جس
قدر رکاوٹیں ان کے راستے میں حائل ہوں ان کو دور فرما دیتی ہے۔ وہ
حاکم قومیں جن کو دنیا کی تاریخ کا بخوبی مطالعہ ہے۔ وہ اسباب کو بخوبی جانتی
ہیں۔ کہ اگر ملک کے افراد میں بیداری کا مادہ پیدا ہو جائے۔ تو ان کے لئے

اس کے لئے کوئی کام مہیا کیا جاوے۔ جس سے وہ اپنی روزی کما سکے اور دوسروں کے لئے بھی مفید ہو سکے۔ اور اپنے لئے بھی مفید ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ ملک میں پولیس و ججوں کی بہت کم ضرورت رہ جائیگی۔ اور اس عظیم الشان بوجھ کے بار سے حکومت سبکدوش ہو سکتی ہے۔ بلکہ میرے خیال میں مستقل فوج کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ صرف بیرونی دشمنوں کے لئے ریزرو فوج کافی ہے۔ ملک میں چونکہ امن ہوگا بروقت ضرورت گورنمنٹ کو کافی سپاہی میسر آ سکتے ہیں۔ مگر اگر حکومت غیر ملکی ہو۔ اور وہ ایسے نیک کاموں سے پرہیز کرے۔ تو میرے خیال میں ملک کے سربرآوردہ انسانوں کو چاہیئے کہ وہ خود اس طرف قدم اُٹھائیں۔ یاد رکھو کانگرس نے وزارت میں تنخواہ کم لے کر کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ بلکہ میرے نزدیک ملک کو نقصان پہنچایا۔ اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ کے لئے بیر رقم بچ گئی۔ لیکن اگر یہ رقم ملک کے غریب لوگوں کی امداد میں خرچ کر دی جاتی تو کیا ہی اچھا ہو۔ ملک سے بے روزگاری دور کرنے میں کسی حد تک ممد و معاون ہو سکتی ہے۔ ملک کے بڑے مالداروں کو چاہیئے کہ بجائے اس کے کہ وہ کسانوں کے برخلاف شور مچا دیں۔ روپیہ خرچ کر کے ایسے ادارے جاری کریں۔ جس سے غریب لوگوں کو بھی فائدہ پہنچے۔ اور وہ خود بھی فائدہ اُٹھا سکیں۔ یاد رکھو۔ بیرونی تجارت اسی صورت میں بند ہو سکتی ہے جو ہم خود اپنے ملک کو تمام سامان مہیا کر سکیں جو ملک کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔ یہ بیرونی تجارت ملک میں اس قدر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہندوستان سے جو روئی ایک روپیہ میں باہر جاتی ہے۔ اس روئی کا ۶ ؍ روپیہ کا کپڑا ۲۱ ؍ کر باہر سے آتا ہے۔ یعنی ہم ایک روپیہ کے عوض ۶ ؍ روپے باہر ملک کو روانہ کرتے ہیں۔ اس خیال سے بھی طبیعت کس قدر مکدر ہوتی ہے۔ کہ غیر ممالک کے لوگ کس طرح ملک کی

درحقیقت حکومت اچھی طرح جانتی ہوتی ہے۔ اگر ان کو آزاد رہنے دے تو حکومت
کے برخلاف یہ صحیح طور پر پروپیگنڈا کریں گے جو ممکن ہے کہ کامیاب ہو جاوے
اور اگر ان کے برخلاف مقدمہ چلایا گیا ہے تو بھی گورنمنٹ کے اپنے اعمال
ظاہر ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس اس کے لئے گورنمنٹ اتنا ہی کہہ دینا کافی
خیال کرتی ہے کہ ان کے اظہار سے امن عامہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے
اس لئے ہم ظاہر نہیں کرتے۔ گویا گورنمنٹ امن عامہ کی بڑی زبردست حامی ہے
گویا دو دھاری تلوار حکومت کو اس طرح مل جاتی ہے۔ حالانکہ انصاف کا تقاضا
ہے۔ کہ ایک انسان کو پورا پورا موقع دیا جاوے تاکہ وہ اپنے قصور کے متعلق
سمجھ سکے۔ پھر بعد میں اگر وہ قصوروار ثابت ہو۔ تو حکومت قانون کے مطابق
سلوک کرنے میں حق بجانب ہے۔ میرے خیال میں اگر اصلاح کی نیت سے
کسی انسان کو سزا دینی ضروری ہے۔ تو اس کو عمر قید کسی صورت میں نہ ہونی چاہئے
بلکہ ایسے ذرائع استعمال کرنے چاہئیں جس سے اس کی اصلاح ہو سکے
یا درکھو سزا کی غرض سوائے اصلاح کے نہ کوئی ہے اور نہ ہونی چاہئیے۔ کیونکہ
ملک میں امن قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ جرم کم ہوں۔ اور ہر سال
اس میں جو کمی ہو وہ ایسی نمایاں ہونی چاہئیے۔ جس سے صاف ظاہر ہو سکے۔ کہ
حکومت وقت ملک کی واقعی خیرخواہ ہے۔ اگر ایک شخص بار بار سزا پاتا ہے۔
تو بھی اصلاح کا کام ادھورا چھوڑ کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ یہ باتیں ثابت کرتی ہیں۔
کہ ہماری جیلوں میں بجائے اصلاح کے بدی سکھائی جاتی ہے۔ جو حکومت
کے لئے چنداں مبارک خیال نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے
فرض تو یہ حکومت کا ہے۔ کہ جو انسان جیل سے نکلے اس کی باقاعدہ اصلاح
ہو۔ اور باہر نکلنے پر بجائے اس کے کہ اُسکو پولیس میں بلاناغہ حاضر ہونا پڑے

اس میں شک نہیں مسٹر گاندھی یا جیاتا گاندھی نے قلی گیری کی لعنت کو دور کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ مگر نہ تو وہ خود کسی طرح لوگوں میں وہ روح پیدا کر سکا۔ جو اس کی تہ میں کام کر رہی تھی۔ اور نہ ہی لوگوں نے خود اس کے اس کام کو سمجھنے کی کوشش کی۔ کیونکہ کسی بڑے آدمی کا ایک معمولی کام کرنا اس رنگ میں نہیں ہوتا۔ کہ اس کے اس فعل کو اخبار دل میں شہرت دیکر اس کو سراہا جاوے۔ کیونکہ وہ دنیا میں پہلے ہی مشہور ہستی ہوتا ہے۔ اور دنیا اچھی طرح اس کے نام سے واقف ہوتی ہے۔ درحقیقت اس کے اندر خود کام کرنیکا جذبہ پیدا کرنا ہوتا ہے شاید بعض احباب خیال فرماویں کہ ملک میں اس سے بیکاری بڑھ جائیگی۔ جو پہلے ہی زیادہ ہے۔ سو یہ صرف خیال ہی خیال ہے کیونکہ اول تو روزی رساں وہ رب العلمین ہے۔ دوئم ہمکو چاہیئے کہ ہم اپنے سرمایہ کو خرچ کرکے ملک میں ہرقسم کے کارخانہ جاری کرکے ایسے لوگوں کے لئے کام مہیا کریں اور ملک کی ذہنیت کو بدلنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ تاکہ لوگ ایسے کاموں سے اعراض کریں۔ جن سے ان کی خودداری سلب ہوتی ہے اور وہ ایک محکوم حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں صاف ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں فرماتا۔ جب تک وہ خود اپنے ماحول میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے" یا اپنی حالت کو بدلنے کی سعی نہیں کرتے۔ تمام دنیا اسی طرز پر قائم ہے۔ جب انسانوں میں یا قوموں میں انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ تب ہی ملک میں ترقی ہوتی ہے۔ انسان جب دل سے ہر ایک چیز کو الگ رکھ کر ملک یا قوم کی خدمت میں لگ جاتا ہے اور اپنی ذاتی اغراض یا غرض کو ملک پر قربان کرنے کے لئے تہیہ کر لیتا ہے تو وہ سب کچھ کر لیتا ہے۔ اور پھر جب صورت حالات اس کے بالکل موافق ہوں۔ اور ایک ایسا انسان ملک میں موجود ہو

دولت کو سمیٹ کرلے جاتے ہیں۔ اس میں سے غلہ بہ نسبت ہمارے ملک کے غیر ممالک میں سوائے آسٹریلیا کے گراں ہے۔ مگر کیا ہمارے ملک سے جس نرخ سے غلہ باہر روانہ کیا جاتا ہے اس نرخ کا اور غیر ممالک کے نرخ کا اگر مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس میں بھی دیگر ممالک اپنے ملک کے لوگوں کے لئے کس قدر فائدہ کرتے ہیں۔ اور ہم اس قدر کمی یا دھوکے میں ہیں۔ ہم اس قدر کم منافع پر اپنے غلہ کو فروخت کر دیتے ہیں دیگر ممالک میں جاکر اس کا نرخ کہیں زیادہ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس ملک کے لوگ کس قدر فائدہ میں رہتے ہیں تو ہم کو اپنی پوزیشن صاف معلوم ہو جائے گی۔ اور ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ صرف ایک قلیل فائدہ کی خاطر ہم کس رنگ میں اپنے ملک سے غداری کا موجب بنتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک آزاد ہو جائے یاد رکھو آزادی صرف چیخ و پکار سے نہیں مل سکتی۔ نہ ملتی ہے اس کے لئے ہر قسم کی قربانی جب تک انسان کرنے کے لئے تیار نہ ہو یہ حاصل نہیں ہوسکتی۔

حاکم قوموں کی حالت کو دیکھو۔ انہوں نے گداگری کے ساتھ قلی گیری کو بند کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ پیشہ بھی ایک رنگ میں گداگری کے قریب قریب ہے۔ حاکم قومیں خود اپنے بوجھ لے جانے کے لئے طیار ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ گوارا نہیں کرتے کہ کوئی ان کے بوجھ کو کسی قیمت پر بھی اٹھائے۔ اس کے لئے موٹر تانگہ کو استعمال کریں گے۔ مگر کسی قیمت پر بھی یہ گوارا نہیں کریں گے۔ کہ کوئی دوسرا ان کا بوجھ اٹھائے اور دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ میں نے دوسرے کا بوجھ اٹھا کر مزدوری حاصل کی۔ یاد رکھو کارخانہ میں محنت کرنا اور اس قسم کی محنت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غیر ممالک کے کارخانوں میں جاکر دیکھو کہ مزدور اور مالک میں کس قدر اعتماد ہے۔ اس کے مقابلہ میں محکوم قوموں میں دیکھو۔ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے

نیت کے مطابق سانچے میں ڈھالے جاتے ہیں۔ اور ویسے ہی اُن کا ظہور دنیا میں ہوتا ہے۔ اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ جزا سزا عنایت فرماتا ہے۔ یہ بھی ایک اصل ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ضرور ہے اور وہ انسانی عمل کے مطابق ثمرہ عنایت فرماتا ہے اور بڑے بڑے انسان دنیا کو اپنے سانچے میں ڈھالنے سے بالکل قاصر ہیں۔ بلکہ ان کی اپنی طاقتیں بالکل محدود اور کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طاقت ہے جس سے وہ بولتے ہیں اور اس کے ماتحت رہتے ہوئے وہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اور وہ خود کوئی شے نہیں ہیں ہاں چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو ضرور کامیاب کر دیتا ہے۔ بلکہ بعض وقت ان کی دعاؤں سے کامیابی کے وقت کو بھی نزدیک کر دیتا ہے اس اصل کے ماتحت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگرچہ یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کو کامیابی ہوگی۔ مگر اس کے ساتھ ہی دعاؤں سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ صحابہ رضہ کے دریافت کرنے پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ بے نیاز ہے اس سے خوف کرنا چاہیئے۔ اور عاجزی کے اظہار کے لئے دعاؤں کا کرنا ضروری ہے۔ مزید برآں کامیابی کو نزدیک تر لانے کے لئے دعا ایک تیر بہدف ہتھیار ہے اور اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ میں سربرآوردہ اور اہل قلم اور اہل الرائے اصحاب سے عرض کرونگا۔ کہ اول تو وہ اس وقت ملک کو غلامی سے چھڑانے کے لئے اُس شخص کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں جو خداوند تعالیٰ کے جری اللہ فی حلل الانبیاء کا جانشین اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ اگر ان کی طبائع تا حال میری بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں تو پھر اُن سے التماس کرونگا۔ کہ ملک کی طاقتوں کو ایسے رنگ میں مجتمع کریں جس سے ملک میں حاکم اور محکوم کا امتیاز تقایا نہ رہے۔

یا اس کا جانشین موجود ہو جس کا یہ دعویٰ ہو۔ کہ وہ مولا کریم کی طرف سے ایک آواز ہے۔ جس سے دنیا کو جگانا مقصود ہے۔ تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی شاہراہ بالکل صاف ہے۔ وہ اپنے جملہ مقاصد کو چھوڑ کر اس کے پیچھے تن من دھن سے لگ جاوے اور وہ یقیناً کامیاب ہے۔ کیونکہ اگر تو وہ مرسل خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تو سمجھو بالکل پو بارہ ہیں۔ اگر نعوذ باللہ وہ مولا کریم کی طرف سے نہیں ہے تو بھی ہم نے اپنی طرف سے اسکو خداوند تعالیٰ ہی کی آواز خیال کر کے مانا ہے۔ مولا کریم اپنی ہستی کو دنیا میں قائم رکھنے کے لئے جھوٹے مرسل کو نعوذ باللہ تباہ کر دے گا کیونکہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے آواز اگر درحقیقت اس کے اندر نہ ہو۔ اور اس کی اپنی خود ساختہ آواز ہو۔ تو مولا کریم نعوذ باللہ دنیا کی حکومتوں سے بھی کمزور ہیں۔ جو ایسے جھوٹے کو سزا دینے سے قاصر ہوں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی حکومتیں ایسے آدمیوں کو سخت سزائیں دیتی ہیں۔ جن کے متعلق ان کو علم ہو جائے کہ انہوں نے خواہ مخواہ سرکاری افسر بنکر پبلک کو دھوکا دیا ہے۔ خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کی طاقت بہت زبردست ہے۔ اور اتنی زبردست ہے۔ کہ انسانی عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ وہ ایسے انسان کو ضرور تباہ کر دیتی ہے۔ مگر خلقت نے محض خداوند تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کو مانا ہوتا ہے۔ اس لئے اسکو مولا کریم کامیاب فرما دیتے ہیں۔ اور نامراد نہیں رہنے دیتے۔ مگر انسان کو اپنے عمل سے یہ ضرور ثابت کر دینا چاہیئے۔ کہ وہ اس کی آواز پر لبیک کہنے کو بالکل طیار اور مستعد ہے بلکہ صاف طور پر اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے۔ تا اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم اس پر شاملِ حال رکھے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی نیت کے مطابق اس کو عمل کی توفیق دیتا ہے اگر نیت نعوذ باللہ بد ہے تو اس کا ثمرہ بھی بد ہی ملتا ہے اور اگر نیت نیک ہے۔ تو اس کا ثمرہ بھی نیک ہی ملتا ہے۔ کیونکہ انسانی اعمال انسان کی اپنی

ہیں اللہ تعالیٰ پر کوئی الزام نہ دے سکے۔ خداوند تعالےٰ کے نزدیک امیر وغریب اور بادشاہ کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ وہ تو انسان کو چاہے وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو ثمر و پھل اس کے عمل کے مطابق عنایت فرماتا ہے۔ اگر بادشاہ نیک عمل کرے تو خداوند تعالےٰ اسکے نیک عمل کبھی ضائع نہیں فرماتا۔ چنانچہ فرعون کے واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ جب اس نے دیکھا کہ وہ غرق ہونے لگا ہے۔ تو اس نے فوراً پکارا کہ میں حضرت موسےٰ کے رب پر ایمان لایا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ کے رب کو ایک علیحدہ رب خیال کیا۔ خیر۔ اللہ تعالےٰ اس کے اس وقت کے اقرار پر اسکو اتنا فائدہ دیا کہ اس کی لاش کو دنیا میں قائم رہنے دیا۔ تاکہ دیگر لوگ اس سے استفادہ حاصل کرسکیں اور فرعون کی روح کو بھی معلوم ہوجائے۔ کہ موسےٰ کے رب کو اس قدر طاقت ہے۔ بعض نادان شاید یہ کہیں کہ اس وقت ایسے مصالحہ موجود تھے۔ جن کے استعمال سے وہ لاش قائم رہ سکتی تھی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ بھی جب کبھی کوئی کام کرتا ہے تو زمین میں ایسی اشیا موجود فرما دیتا ہے جن سے وہ کام ہوسکے۔ فرق صرف اس قدر ہوتا ہے۔ کہ پہلے لوگوں کو اس کے متعلق علم محدود ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسے ذرائع بہم پہنچا دیتا ہے جس سے ان کا علم وسیع ہوجاتا ہے۔ مزید برآں کیا کوئی سوائے فرعون کی لاش کے کوئی دوسری لاش پیش کرسکتا ہے جس سے معلوم ہوسکے کہ اس وقت ایسے مصالحے موجود تھے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کرسکتے۔ اس سے بھی اعتراض کی حیثیت واضح ہوجاتی ہے۔

ہمارے ملک میں متضاد خیالات اور متضاد مذاہب پھر متضاد فرقوں کے لوگ آباد ہیں۔ گویا یہ ایک ایسا معجون ہے جس کے صحیح اجزا کا اندازہ کرنا

خدا تعالیٰ کے فرستادوں کے بارے میں اگرچہ میں پہلے کافی تحریر کر چکا ہوں
مگر میرے خیال میں ایک سلیم الفطرت انسان کے لیئے وہ کافی سے زیادہ ہے۔
مگر طبائع میں فرق ہے اس لیئے بعض واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض انسانوں سے
ان کو درست طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی طرف سے کسی شخص کو مامور فرماتا ہے تو اس کی غرض اللہ
تعالیٰ کی شریعت کو قائم کرنا ہوتی ہے۔ اور اس کے قیام کے راستے میں اگر اُن
بزرگوں کو انگاروں پر بھی لوٹنا پڑے۔ تو وہ اس کی پروا نہیں کرتے۔ چنانچہ پہلے
بزرگوں کے واقعات سے بالکل یہ بات ظاہر ہے۔ مگر تاہم انسان اپنی جدت
کے مطابق اس میں خامیاں نکال لیتا ہے۔ بزرگ جب کسی حکومت کے ماتحت
پیدا ہوتے ہیں۔ تو چونکہ ایک ادنےٰ خادم سے لیکر بادشاہ تک سب کے لیئے
یکساں حیثیت میں ہوتے ہیں۔ جہاں غربا کی اصلاح مدنظر ہوتی ہے۔ وہاں
امرا و بادشاہوں کو بھی راہ ہدایت کی تلقین کرنا ان کا فرض ہوتا ہے۔ لہذا
وہ یک بہ یک کسی انقلاب کے پیدا ہونے کے خواہاں نہیں ہوتے۔ بلکہ حاکم و
محکوم دونوں کو پورا موقع دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنی اپنی جگہ اس بزرگ کی آواز کو سُنے
اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے۔ اور اس نے اپنے مرسل کو آئندہ کے متعلق
باخبر کرنا ہے تا کہ آئندہ جب واقعات اس رنگ میں ظاہر ہوں تو جہاں خداوند
تعالیٰ کی بزرگی اور برتری کا اظہار دنیا میں ہو وہاں اس بزرگ کی ہستی دنیا کو ماننی
پڑے۔ جس نے دنیا کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آئندہ زماں میں ایسا ہوگا۔

جب معاملہ حکومت وقت کا اس میں ہوتا ہے تو وہ بزرگ اس میں اشاعت
بہ حکم خداوندی زیادہ نہیں فرماتے ہیں۔ صرف ضرورت کے مطابق اس کے لیئے
شاہد رکھ لیتے ہیں۔ تاکہ حکومت وقت کو سنبھلنے کا موقع مل جائے اور وہ بعد

تعالیٰ صرف مسلمانوں کا ہی نہیں۔ بلکہ دوسرے بھی اس کی مخلوق ہیں۔ اور جب تک وہ
اللہ تعالیٰ سے ناراضگی حاصل کرتے ہوئے خود اپنی تباہی کا سامان نہ کرلیویں۔ ان کو زندہ
رہنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ گورنمنٹ چونکہ جانتی ہے کہ یہ ایک زبردست خلیج دونو
قوموں میں ڈالی جاسکتی ہے۔ لہذا وہ ہمیں بے وقوف بنا کر اس سے پورا پورا فائدہ ہر ممکن
ذرائع سے حاصل کرتی ہے۔ حالانکہ اگر ہمارے اپنے افراد کی ذہنیت درست
ہو تو وہ ہم پر کبھی اس میں قادر نہیں ہو سکتی۔

(۲) گورنمنٹ نے اپنے استعمال کے لئے جابجا اس کے متعلق عمارتیں بنائی
ہوئی ہیں۔ بلکہ جب گورنمنٹ نے دیکھا کہ چونکہ ان کی عمارتوں میں عمدہ وباصحت
جانور استعمال ہوتے ہیں جس سے صاف طور پر گھی وغیرہ میں کمی ہوتی ہے۔ تو
اس کے علاج کے لئے سبزی کا گھی ایجاد کر کے اور جمے ہوئے دودھ کے ڈبوں سے
ملک میں تجارت بھی شروع کردی جس سے دونوں فائدے حاصل ہو گئے۔ ملک کا
روپیہ ایک بیکار چیز پر لگا دیا۔ اور ہمارے ملک میں کھانے کے لئے ایک ایسی چیز
ہم پر مسلط کردی جس سے ہماری صحتوں پر اور حتیٰ کہ ہمارے دماغوں پر نمایاں
اثر پڑا۔ کیونکہ بعض اس سبزی کے گھی کو ملا کر اچھے گھی سے بعض اسی کو خالص گھی
بنا کر غریب لوگوں کو دے دیتے ہیں۔ اگرچہ ملاوٹ کا طریقہ بہت عام ہے ہاں
دوسرا طریقہ کم ہے۔ اس کا اثر یہ بھی ہوا کہ گورنمنٹ کو خود اپنے ملک کے لوگوں کے
لئے باافراط جانور ملنے لگ گئے۔ اور ملک کے اندر بھی اس کے متعلق آج تک
کوئی ہیجان بھی پیدا نہیں ہوا۔ اگر کسی نے کبھی اس کے متعلق آواز اٹھائی بھی۔ تو
حکومت کی طاقت چونکہ زبردست ہے۔ کسی نہ کسی ذریعے سے اسکو دبا دیا گیا۔ تاکہ
ملک میں کسی قسم کا شور پیدا نہ ہو سکے۔ غیر ملکی حکومتوں کو ایسے حالات میں اگر روپیہ
بھی خرچ کرنا پڑے تو وہ کبھی اس سے دریغ نہیں کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ

بھی ایک مشکل امر ہے۔ مذاہب میں فرقے اور پھر فرقوں میں مزید فرقے موجود ہیں۔ اس قدر رشاخیں الاامان۔ ہر ایک اپنے خیال میں اپنے آپ کو درست راستے پر تصور کرتا ہے۔ اور خود کو سب سے زیادہ نفع رساں سمجھتا ہے۔ حالانکہ شیخ سعدی علیہ الرحمت نے فرمایا ہے کہ درست بات اگر دیوار پر بھی لکھی مل جاوے۔ تو اسکو لینے میں گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ اور ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ہم دوسروں کے لئے نفع رساں ہوسکیں۔ میں اس وقت ہندوؤں کے اس خیال کو لیتا ہوں جو ان کا گائے کے متعلق ہے۔ میں گائے کو خدا کا درجہ تو نہیں دیتا جو بعض ہندو جہلا نے اس کو دے رکھا ہے میں نے جہلا کا لفظ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ سمجھدار طبقہ اس کو خدا کا درجہ نہیں دیتا۔ اور نہ ہی ایسا ہے دراصل اس میں بھی ہم افراط وتفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ گائے اگرچہ خدا تو نہیں ہے۔ مگر ہندوستان میں انقلاب پیدا کرنے کا یہ بھی ایک بڑا زبردست ذریعہ ہے اور ہماری موجودہ حکومت نے اسکو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا ہے اور وہ اس سے ہر ممکن فائدہ اٹھا رہی ہے اور اٹھاتی رہے گی۔ کہ جب تک ہم اس وقت کو درست طور پر سمجھنے کے لئے کوشش نہیں کریں گے۔ میں اس کے متعلق اپنے خیالات کو پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

(۱) اول تو جہاں ہندوؤں میں ایسے لوگ ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ گائے انکے مذہب میں ایک متبرک ہستی ہے۔ وہاں مسلمانوں نے اس اصل کو سمجھ لیا ہے کہ بعض اس کا گوشت ان کے لئے حلال ہے اپنے ہمسایہ کی ضد کی خاطر بھی وہ ایسا کرنے پر تُل جاتا ہے حالانکہ اسلام نے ہمسایہ کو برادر کا درجہ دیا ہے اور اس کی دلجوئی کا بڑا زبردست حکم دیا ہے اور ایسے امور اس کے سامنے نہیں کرنے چاہئیں۔ جس سے اس کو رنج پہنچنے کا احتمال بھی ہو کیونکہ خدا اللہ

ملک بھوکا مر جائے چاہے غلام رہے انکو کبھی ادھر خیال نہیں آتا۔ غیر ملکی حکومتوں کو چونکہ ان لوگوں سے بڑی زبردست امداد ملتی ہے۔ اس لئے وہ ہر ممکن بلکہ بعض اوقات ناممکن امداد بھی کرتی ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے جو فوائد ان کو حاصل ہیں ان سے محروم نہ رہے۔ خفیہ پولیس کا محکمہ ان کا سردار ہوتا ہے۔ یاد رکھو غیر ملکی حکومتیں ہر ایسا قدم اٹھانے کے لئے حق بجانب ہیں جو وہ اپنی بہتری و بہبودی کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اس میں ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کیونکہ حکومت کی طاقت ایک مسلم طاقت ہے۔ اور یہ ملک کی قوم کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے ملک سے بیکاری اور ایسے عنصر کو دور کرنے کے ذریعہ اختیار کریں جو خودداری کی طاقت پیدا کرنے میں ممد ہوں۔ کانگرس میں چند ایک مسلمان جو در اصل بڑی ہستی کے مالک ہیں شامل ہیں۔ کانگرس میں شامل ہونا جرم نہیں۔ مگر کانگرس کا ان کو عہدہ دینا درحقیقت انکی قوتوں کا ناجائز استعمال کرنا ہے اگر ایک شخص اعلےٰ دماغ انسان ہے اور وہ اپنے دماغ کو خرچ کرکے روپیہ پیدا کرنے کے قابل ہے۔ اس کو اگر کانگرس نے تنخواہ دے کر ملازم رکھ لیا تو یہ میرے نزدیک اس کی طاقت کا ناجائز استعمال ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کانگرس کو قابل آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس کے کام کو بخوبی طور پر انجام دے سکیں۔ اول تو ان کو بتا دیا جاوے کہ تم دونوں کام کرو۔ کانگرس کا کام چونکہ قومی کام ہے اس سے تم کو کچھ نہیں دیا جاویگا۔ بلکہ تم اپنی روزی کے لئے بھی دماغ کو استعمال کرو۔ اور ملک کی خاطر بھی کام کرو۔ اس کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کانگرس نے بھاڑے کے ٹٹو مسلمان شامل کر رکھے ہیں۔ یہ خیال دور ہو جاویگا۔ اور وہ لوگ جو کانگرس میں شامل ہیں ان کی ذہنیت کا پتہ چل جاویگا۔ کہ آیا وہ کن اغراض کے ماتحت

ہم نے جو کچھ خرچ کرنا ہے۔ وہ ان لوگوں سے ہی لیکر خرچ کرنا ہے۔

پھر جب انسان دیکھتا ہے۔ کہ خطرہ بہت زیادہ ہے۔ اور شاید اسی قدر ہو کہ سب کچھ جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ تو ایسی حالتیں جو کچھ بھی نہ کیا جا دے وہ کم ہی خیال کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جب حکومت حکومت نہ ہو۔ بلکہ ایک تجارتی ادارہ ہو۔ جو ہر کام میں تجارت کو ہی مدنظر رکھتی ہے۔ اور ہر کام میں ہر ممکن فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہو۔ اس کے مقابلے میں جب دوسری طاقت جس کا خیال ملک کو آزاد کرنے کا یا کم از کم آزادی کی روح پھونکنے کا ارادہ ہو۔ ان کو مقابلہ میں ایسی ہی زبردست کوشش کرنی چاہیئے اور ملک میں عام بیداری پیدا کرنے کے ان تمام ذرائع کو پیدا کرنے کی پوری پوری سعی کرنی چاہیئے۔ بڑے آدمیوں کو اپنے کام خود کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ تاکہ دوسروں پر ان کا اثر ہو۔ یاد رکھو حکومت کا اثر تو خود بخود ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حکومت نے کسی کو تلقین نہیں کی اور نہ کوٹ پتلون پہننا کوئی قانوناً حکم ہے۔ چونکہ حکومت کا لباس ہے۔ اس لئے ہم اس کی نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ اس سے کم از کم اتنا پتہ چلتا ہے کہ ہم حکومت کی نقل کرکے حکومت کو ایک رنگ میں یہ بھی ظاہر کر سکتے ہیں کہ ہم کو حکومت میں حصہ لینا بلکہ خود حکومت کرنے کی خواہش ہے۔ یہ ایک قدرتی جذبہ ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی۔ مگر اس نقل کو بندر کی نقل کی مثال میں لیا جا سکتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو ہر حال میں حکومت کے تابع فرمان ہیں ملک کی بہتری اور بہبودی سے ان کو کچھ مطلب نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک رنگ میں اپنی حالت سے باخبر ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک حکومت جو کچھ ان کو عنایت کرتی ہے۔ وہی ان کا ملجا و ماوا ہے۔ اور اسی سے وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ دیگر کاموں سے ان کو ہرگز ہرگز کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ ان کی طرف سے چاہے

کہ بظاہر وہ سمجھیں گے اب ہم نے کامیابی حاصل کرلی ہے۔ مگر اس وقت میں اپنی افواج قاہرہ سے تمہاری امداد کرونگا اور دنیا کو بتادونگا کہ میں دراصل تمہارے ساتھ ہوں۔ یاد رکھو اللہ تعالےٰ نے یوں تو قرآن مجید جس قدر پچھلے نبیوں کے حالات بیان فرمائے ہیں ان سب میں ایک ہدایت اور نور ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں۔ مگر اس وقت دوستوں کی توجہ قرآن مجید کے اُن حقائق کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ جو کلام میں اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کے ذکر میں بیان فرمائے ہیں جس سے جہاں مولا کریم کے علم کی وسعت کا کچھ کچھ اندازہ دنیا کو ہوتا ہے۔ وہاں پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ جیسا اولوالعزم نبی بھی اللہ تعالیٰ کے تخیلات کو سمجھ نہیں سکتا۔ یاد رکھنا چاہیئے عبادت سے اللہ تعالےٰ کی تجلی کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ورنہ فرشتے جو ہر وقت مولا کریم کی تسبیح و حمد فرماتے رہتے ہیں۔ ضرور اس کو مکمل طور پر حاصل کر لیتے۔ مگر ایسا نہیں ہے ایک طرف تو شیطان کے لئے مشہور ہے کہ اُس نے چپہ چپہ زمین پر سجدہ ادا کیا۔ دوسری طرف وہ ذراسی بات میں وہ ٹھوکر کھا گیا۔ اور جس سے وہ بچ نہیں سکا۔ حالانکہ عبادت کرنے میں اس نے کوئی کمی نہیں کی۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ انسان سے تابعداری چاہتا ہے اور اسی کا دوسرا نام اسلام یا مسلمان ہوتا ہے۔ انسان جب تک اللہ تعالیٰ کی پوری پوری تابعداری نہیں کرتا کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھو ایک منٹ اللہ تعالیٰ سے دوری ہزار سال کی بادشاہی سے بُری ہے کیونکہ ہر چیز اللہ تعالےٰ کے ماتحت ہے اور اسی کی تابع فرمان ہے۔ انسان کو اس کا یقین کامل ہونا چاہیئے۔ کہ اسکا مولا کریم ہر وقت اس کے اعمال کا موازنہ کر رہا ہے اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ

کانگرس میں شامل ہیں۔ آیا ان کی ذاتی غرض تو اس میں پوشیدہ نہیں۔ اور ملک کا کام محض ملک کی خاطر ہونا شروع ہو جاویگا۔ شاید کوئی خیال کرے۔ اس میں وقت کا خیال ہے۔ یہ ایک عبث خیال ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں میں ایسے کام کرنے کی طاقت موجود ہوتی ہے۔ ان کے راستے خود بخود طیار ہو جاتے ہیں اور میرے خیال میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایسا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ صرف ایک انسان کو مامور بنا کر دنیا میں ارسال فرماتا ہے۔ اور وہ دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ جس کے متعلق پرانی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ ان کے کاموں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ کس قدر محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ بر وقت ضرورت سخت سے سخت کام کو اپنے ہاتھ سے کرنے سے کوئی دریغ نہیں فرماتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جو کام کرتے ہیں۔ منشا الٰہی کے ماتحت کرتے ہیں اور دنیادار جو کام کرتے ہیں وہ اپنی عقل کے ماتحت کرتے ہیں۔ انسانی عقل بھی بعض اوقات صحیح ذرائع استعمال کرتی ہے۔ تو کامیاب ہو جاتی ہے۔ مگر نبیوں کے متعلق کامیابی ایک یقینی اور حتمی وعدہ اس مالک حقیقی کی طرف سے ہوتا ہے وہ ایک اٹل بات ہوتی ہے۔ جو ہرگز ہرگز ٹل نہیں سکتی۔ چاہے اس میں کتنی ہی مشکلات حائل ہو جائیں۔ اور چاہے دنیا دار بظاہر ان کا کام ناممکن خیال فرمالیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اسکو اپنی طاقت سے ممکن بنا دیتا ہے۔ یہ ایک بیّن و ظاہر فرق ہے جو ایک نبی و غیر نبی میں ہوتا ہے اور یہ ایک کسوٹی ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو ابوجہل کی صفت اختیار کئے ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ جو نور دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اس کو اپنی طاقت سے مٹا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو پہلے سے خبردار کر دیتا ہے۔ کہ لوگ تمہارے راستے میں سخت مشکلات ڈالیں گے اور اپنی طرف سے تمہارے کام میں اس قسم کی مشکلات ڈالیں گے

اپنی تجارت کا ڈھونڈیں۔ اور جو ریلوے گورنمنٹ کے اپنے قبضے میں ہیں۔ ان کے
متعلق جو قوانین وضع کئے گئے ہیں۔ ان کے شروع میں ہی یہ بات تحریر کر دی گئی
ہے کہ ریلوے خالصتاً فوج کے لئے ہے۔ اس میں دو مقصد پنہاں ہیں۔ اول
تو جب کبھی فوجوں کیلئے ریلوے کی ضرورت پڑے اس میں کوئی حرج واقعہ نہ ہو بلکہ
قانون اس میں پورا پورا معاون بنے۔ اور کسی کو گنجائش اعتراض بھی نہ رہے۔
دوئم جو آمدن ریلوے کے ذریعہ ہو اسکو فوج میں خرچ کے لئے بخوبی لیا جا سکے۔
کیونکہ فوج ہی اس کی اصل مالک ہے اور فوج کا ایک ایسا محکمہ ہے کہ جس میں حکومت
کو کوئی آمدن نہیں ہے۔ پولیس سے کم آمدن ہے۔ باقی محکمہ جات سب تجارتی اصول
پر چل رہے ہیں جنکے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے اخراجات بھی پورا کریں اور حکومت
کو بھی منافع سے مالا مال کریں۔ تاکہ کچھ رقم حکومت رفاہِ عام میں خرچ کر کے
دنیا کو بتا سکے کہ وہ ایک بڑا زبردست نیک کام کر رہی ہے اور ملک کی زبردست
حامی ہے۔ اور دوسری طرف بقایا رقم اپنے خزانہ عامرہ میں داخل کر سکے۔ تاکہ
بوقت ضرورت اس میں خرچ بھی ہو سکے۔ بقایا حکومت وقت کے نمائندوں کو
دیا جا سکے۔ یا جمع دکھایا جا سکے۔ اس میں ریلوے ایک ایسا ادارہ ہے جس
پر گورنمنٹ کا اپنا کوئی سرمایہ خرچ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ کمپنیوں نے اپنے
سرمایہ سے طیار کر کے ایک مدت تک اس میں نفع اٹھا کر حکومت کے حوالے
کی ہیں۔ اور اس میں حکومت وقت بظاہر پوری پوری حق بجانب ہے۔
اس میں سے جس سے چاہے۔ فائدہ اٹھائے۔ اور اس رقم کو جو اس
محکمہ سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے چاہے خرچ کرے۔ مگر بہ نظرِ عمیق
دیکھا جاوے۔ عالم قوموں کے اپنے ممالک میں بھی ریلوے ہیں۔ کیا وہاں
پر یہ خیال مدِ نظر رکھی جاتی ہے۔ اگر اس کو بنظر غور دیکھا جاوے تو

آیا وہ اپنے قول و فعل میں ثابت قدم بھی ہے کہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ توفیق بھی خود فرماتا ہے۔ مگر انسان کے دل کے حالات سے بخوبی آگاہ ہے اور اسی کے مطابق اسکو آئندہ عمل کی توفیق عنایت فرماتا ہے۔ ورنہ یوں کہنے کو ہر کوئی انسان کہ سکتا ہے اور دنیا میں اکثر لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ان کا اللہ کریم پر پورا پورا الیقین ہے۔ مگر جب بات دل سے نکلتی ہے اور انسان فقط اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ تو مولا کریم اپنی طاقت سے اس کی سب مشکلات کو دور فرما دیتا ہے۔ اور اس کا حل بھی احسن طریق سے فرماتا ہے۔ تاکہ دنیا کو اللہ تعالےٰ کی طاقت کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے بندہ پر رحمت کے نزول کا راستہ بالکل صاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر یا بندوں پر اپنی رحمت کے نزول فرمانا چاہتا ہے۔ وہ اس بات کی پرواہ ہرگز ہرگز نہیں کرتا کہ آیا دنیا کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے یا کہ نہیں۔ کیونکہ وہ سب بھید دل اور رازوں سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ دنیا کی خواہش ہے کہ وہ اس کا اور اس کے ماموروں کا نشان دنیا سے مٹا دے یہ ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے اور اپنے ماموروں کی امداد کے لئے جو کچھ کرے وہ تھوڑا ہے۔

اب گورنمنٹ کے محکمہ ریلوے کو لیتا ہے۔ یہ محکمہ شروع میں کمپنیوں کی وساطت سے تیار ہوا۔ اور حکومت وقت نے بدیں شرائط ریلوے بنانے کی اجازت دے دی کہ بصورت جنگ اگر حکومت کو اپنی افواج منتقل کرنے کی ضرورت پڑے تو اس میں واجبی سہولیت بہم پہنچائی جائے۔ اور مزید برآں اتنی مدت نفع اٹھانے کے بعد ریلوے کا کل نظام حکومت وقت کے سپرد کر دیا جاوے اور کمپنی والے اپنا بوریا بستر باندھ کر کوئی اور ذریعہ

فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

اب میں اُن ذرائع کے متعلق تحریر کرتا ہوں۔ جو ملک میں بلا تشدد صحیح طور پر انقلاب پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ یاد رکھو میں نے بتایا ہے کہ ریلوے کی زیادہ تر آمدنی فوج کے محکمہ میں خرچ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ گورنمنٹ ہمیشہ اس کے متعلق کوشاں ہے کہ ریلوے کی آمدن کو جہاں تک ممکن ہو زیادہ کیا جاوے۔ اور اس کے متعلق گورنمنٹ نے ایک منتظم کوشش کر رکھی ہے۔ اور لاریاں جو ریلوے کے نقصان کا موجب ہیں۔ ان کو ہر ممکن ذریعہ سے فیل کرنے کیلئے کوشش بڑی سرعت سے جاری ہے۔ ملک کے سربرآوردہ آدمیوں کو چاہئیے۔ کہ اگر وہ واقعی ملک کے بہی خواہ ہیں تو اس صنعت کو ریلوے کی طرح ایک منتظم صورت میں قائم کیا جاوے اور ڈرائیوروں کو باقاعدہ ٹریننگ کے بعد ملازم رکھا جاوے۔ ان کو معقول معاوضہ بھی دیا جاوے اور ان سے یہ بھی تاکید اً کہہ دیا جاوے کہ وہ روپے کی خاطر ملازم نہیں ہیں۔ بلکہ ملک کی خاطر ملازم ہیں۔ اور انہوں نے جو کام بھی اپنے ملازمت کے دوران میں کرنا ہے وہ محض ملک کی خاطر کرنا ہے۔ یاد رکھو۔ اگر اس وقت اسمبلی میں فوجی بھرتی کا قانون نہ پاس ہوا تو بھی گورنمنٹ جانتی ہے کہ ملک کو غریب کر کے اور بصورت لڑائی ان کو کافی معاوضہ دیکر اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہے اور یہ وہ صورت ہے جو پچھلی لڑائی میں بہت حد تک مشاہدہ میں آ چکی ہے۔ بھرتی ہونے والوں کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا۔ جتنا بھرتی کرانے والوں کو پہنچا ہے۔ مگر یہ کیوں ہوا۔ چونکہ گورنمنٹ کے پاس روپیہ موجود تھا۔ اس نے بارش کی طرح خرچ کیا۔ اور جن لوگوں نے بھرتی کرانے میں حصہ لیا۔ وہ حکومت سے انعام حاصل کر کے ان کے بہی خواہ بن گئے۔ جب ملک کے سربرآوردہ لوگ موٹر کی صنعت کو اچھے طور پر چلا وینگے تو اسکا

فرق صاف نظر آوے گا۔ پھر فوج ایک ایسی مد ہے جس کی در اصل ملک کے امن میں بہت کم ضرورت ہے۔ اور بصورت جنگ ملک اگر حکومت کے ساتھ ہے تو کافی سے زیادہ تعداد میں رنگروٹ اور ریزرو مل سکتے ہیں۔ اور ملک اسی صورت میں ساتھ ہوگا۔ جب ملک کو معلوم ہو جاویگا۔ کہ حکومت کی نیت اس کے بارے میں کیا ہے۔

حکومتیں جب دنیا میں تباہ ہوتی ہیں۔ تو ان کی وجہ ظلم عظیم بھی ہوتا ہے اور حکومت وقت کی نیت دربردہ ایسی ہوتی ہے کہ ملک کو غلامی میں مکمل طور پر رکھا جاوے تو حاکم قوم کو جو فائدہ اس سے حاصل ہے۔ اُن سے کما حقہ فائدہ حاصل کیا جاوے۔ حالانکہ ہر وقت ایک پالیسی کام نہیں دیتی ہے۔ بلکہ جب خلقت کی دلجوئی کی ضرورت ہو اور حاکم یہ سمجھ لے کہ اب اس کا پول کھل گیا ہے۔ اور اس کے لئے اب کوئی شاہراہ باقی نہیں رہی۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنی حکمت عملی کو بدل کر ملک کو بتا دیوے کہ وہ واقع میں ملک میں اصلاح کے حامی ہیں۔ اور اپنے امتیازی سلوک کو بھی اڑا دیوے۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ جو تھوڑا بہت فائدہ وہ قائم رکھ سکتی ہے اس سے بھی محروم نہ ہو جاوے۔ یاد رکھو۔ دکھی رعایا کا حکومت کچھ نہیں کر سکتی ہے۔ اگر حکومت یہ چاہے۔ کہ وہ ایک بڑے عنصر کو تباہ و برباد کر کے کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ اول تو یہ ایسا ظلم عظیم ہے۔ جس کے لئے خداوند تعالےٰ خود ہی کافی ہیں۔ پھر دنیا کی دوسری طاقتیں بھی ایسے موقع کی منتظر رہتی ہیں۔ شاید یہ سمجھا جاوے۔ کہ اٹلی نے حبشہ کو ایک معمولی عذر پر ہضم کر لیا۔ یہ بھی ایک غلطی ہے ملک کے لوگوں نے لاچار ہو کر ہتھیار ڈال دیئے ہیں مگر ابھی ملک کی جذباتی قوت کو دبانے کیلئے صدہا برس چاہیئں۔ اور ملک میں زبردست فوج کو رکھکر اگر دبا کر رکھا جائے تو اس سے بجائے

ارادہ تھا۔ تو وہ پایۂ تکمیل تک اسی حالت میں پہنچا۔ جب ملک کے لوگوں نے قربانیاں
کیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ اس قسم کی قربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہم دو چیز
جو ہماری منزل ہے مال کو جمع کر کے اور اس کے درست خرچ سے حاصل کر
سکتے ہیں۔ سو ہمارے لئے یہ ایک بڑی آسانی ہے۔

(۴) ملک کے بڑے بڑے زعما کو خود ہاتھ سے مفت کام کر کے اور جگہ
بہ جگہ ایسے کاموں کا مکمل طور پر انتظام کر کے ملک کے عام طبقہ کو ترغیب دینی
چاہیئے۔ کہ وہ حتی الوسع اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ ہاں ایسے
پیشے وہ اختیار نہ کریں۔ جو ملک کی بے کاری میں ممد نہیں کیونکہ اس سے بجائے
فائدہ کے نقصان ہوگا۔ مثلاً دھوبی۔ درزی و حجام وغیرہ کا کام۔ مگر ان
لوگوں کو حقیر بالکل نہ خیال کرنا چاہیئے۔ یاد رکھو اس سے ہم ایک ماہ میں وہاں
تک پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں تک پہنچنے میں ہمیں سالوں کی ضرورت ہے۔

(۵) ملک میں پارچہ بافی کے کارخانہ جات خصوصیت سے زیادہ کھولنے
چاہئیں اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ کہ ملک
کی اس صنعت کو ترقی دینے میں پورے پورے ممد و معاون بنے۔ بدیشی کپڑا
جو اس وقت موجود ہے۔ اسکو جلایا نہ جاوے۔ بلکہ جہاں ممکن ہو۔ مفت
جہاں ایسا ممکن نہ ہو کم قیمت پر غربا کو تقسیم کر دینا چاہیئے۔ آئندہ کیلئے سوداگروں
سے کہہ دیا جاوے کہ وہ کسی قیمت پر بھی مال نہ منگائیں۔ ملک کے لوگوں میں تلقین
کرنے کی کوشش کی جاوے۔ اگر ان کے پاس صرف ایک جوڑا ہے۔ تو جہاں
تک ممکن ہے وہ اس سے گذارہ کریں۔ کہ جب تک ملک ان کی ضرورت کو
پورا کرنے کے لئے مزید کپڑا مہیا کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ اس سے
ایک تو فائدہ یہ ہوگا کہ غربا بھی ایسے کپڑے پہننگے جو دوسری صورت میں

نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ایک تو ملک کے بیکار آدمیوں کو جگہ مل جائیگی اور ریلوے کی آمدن معتد بہ کم ہو جائے گی۔ آدمی ملازم ہونیکی صورت میں فوج کی نوکری سے محفوظ ہو جائینگے جو ان کو بصورت بیکار ہونیکے ضرور کرنی پڑتی تھی۔

(۲) ریلوے میں جو قلی وغیرہ کام کرتے ہیں۔ ان کو بالکل بند کر دیا جاوے۔ اور اپنے سامان کو خود اٹھا کر لے جانیکی عادت ڈالنی چاہیئے۔ باقی جو کھانے پینے کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں وہ بھی اکثر گندی ہوتی ہیں۔ کیونکہ افسران ریلوے ان غریبوں سے ایسا سلوک نہیں رکھتے جیسا کہ رکھنا چاہیئے۔ اور ان کو چیز بھی شہر سے گراں فروخت کرنی پڑتی ہے۔ جسکی کوئی معقول وجہ نہیں بیان کر سکتے جو رقم اسانیاں سے پس انداز ہو۔ اس میں کچھ ملا کر ایک مستقل فنڈ قائم کیا جائے جس سے اپنے لوگوں کو کام پر لگایا جاوے۔ جو صرف اپنے پیٹ کی خاطر اس محنت کو کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ حاکم اور محکوم کا فرق ایک حد تک دور ہو جائیگا۔ بڑے اسٹیشنوں پر ریفرشمنٹ روم ہیں۔ ان میں بیرے خانساماں کام کرتے ہیں۔ وہ بھی بند ہو جانے چاہئیں۔ بلکہ اس پیشہ کو ہی سرے سے بند کرنیکی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے تاکہ یہ بھی حاکم و محکوم کے فرق کو توڑنے میں معاون بنے

(۳) مال جو ریلوے کے ذریعے بھیجا جاتا ہے سوائے گائے بھینسوں کے لاریاں بڑی آسانی سے لے جا سکتی ہیں۔ اور اس کام کو اگر دیانتداری سے کیا جاوے تو سب فائدہ میں رہینگے۔ اور ریل کو بھی اس مد میں جو آمدن ہے وہ کم ہو جائے گی۔ اسی طرح پارسلوں کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اول تو دیانتداری سے اور اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کام اگر کئے جاویں کہ ملک کو فائدہ بہ نسبت بر پہنچانا تو ضروری ہے۔ فائدہ ہو۔ اگر شروع میں اسکے متعلق کچھ تکلیف بھی ہو تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ آخر دنیا میں جب کسی قوم نے اپنے ماحول میں تبدیلی کرنیکا

خاندان اس نے تباہ کئے ہیں۔ اس کا اندازہ لگانا بھی عقل انسانی کے لئے مشکل ہے۔

(۱۰) ملک میں تعلیمی درسگاہوں میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم پر زور دینا چاہیئے۔ ہر ممکن ذریعے سے تعلیم اس رنگ میں ہو۔ کہ لوگ ملازمت کرنے سے گریز کر سکیں۔ یعنی نصاب تعلیم اس قسم کا ہو کہ جو لوگوں میں ملازمت کے لئے ایک جذبۂ نفرت قائم کریں۔ اور مادۂ خود داری کو قائم کرنے میں ممد و معاون ہوں۔ اور خصوصاً موجودہ تاریخ میں سے ایسے حصے ضرور نکال دینے چاہئیں۔ جن سے کسی قوم کے لیڈر پر حرف آتا ہو۔ مثلاً سیواجی کا افضل خاں کا قتل اور ٹوکرے میں بیٹھ کر دھوکے سے چلا جانا۔ اس قسم کے واقعات جہاں ایک قومی انسان پر ایک بدنما دھبہ پڑتا ہے۔ وہاں طلبہ پر اس کا اثر بہت برا پڑتا ہے۔ وہ ان باتوں کے اخلاقی پہلو سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

(۱۱) ملک میں عیسائیوں نے جس رنگ میں اپنی تعداد کو بڑھایا ہے وہ ظاہر ہے۔ اکثر غریب اور نادار یا ایسے کام کرنے والے لوگ جو بہت ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں تبلیغ کر کے اور ان کی اصلاح کر کے ان سے وہ ذلیل پیشے چھڑا دئے۔ یہاں تک یہ کام بڑا نیک ہے۔ مگر اول تو عیسائیوں نے بھی اس رنگ میں اس کام میں ترقی نہیں کی۔ جس قدر کرنی چاہیئے تھی۔ کیونکہ وہ اس طبقہ سے امتیاز کو کلیتہً مٹانا نہیں چاہتے۔ بلکہ صرف اپنی کچھ تعداد ملک میں قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ان میں سے بھنگی کا کام ایک بڑا زبردست کام ہے۔ میرے نزدیک یہ نہایت ذلیل پیشہ ہے۔ مشکلات یہ ہیں کہ اس میں زیادہ دقت مسلمان عورتوں کو محسوس

ان کو میسر نہیں ہیں۔ تو ان کی روح میں اوپر اٹھنے کی طاقت پیدا ہو گی۔ اور مال بھی ضائع نہیں ہو گا۔ کیونکہ آخر ہم نے دام دیکر اسکو خرید لیا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ رقم بھی وصول ہو جاویگی۔ جو دوسری صورت میں ممکن نہیں ہے۔

(۶) جو لوگ اس وقت حکومت میں کام کر رہے ہیں۔ ان کو کام جاری رکھنا چاہیئے۔ اپنی تنخواہ جو مقرر ہے۔ پوری لینی چاہیئے۔ اور کچھ حصہ اپنے اخراجات کے لیئے نکال کر باقی رقم غربا کی بہتری کے لیئے جو فنڈ کھولا گیا ہے اس میں دے دینی چاہیئے۔

(۷) ملک کے زعما اور اہل الرائے کو قومی کام مفت بلا فیس کرنا چاہیئے۔ اور اپنی روزی کے لئے علیحدہ کام جاری رکھیں جس سے ایک تو ملک کی دولت میں اضافہ ہو گا۔ دماغ میں کام کرنے سے مزید طاقت پیدا ہو گی۔ غربا ان کے نمونے سے ضرور متاثر ہو گا۔

(۸) ملک کے سرمایہ داروں کو دل کھول کر تجارت پر مال لگا دینا چاہیئے۔ تاکہ ملک کی تجارت میں ترقی ہو۔ اور لوگوں کے لئے کام نکلے۔

(۹) ساہوکارہ کا کام بالکل بند کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بھی انسان کو پیسہ جمع کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس سے ملک کی ایک بڑی زبردست طاقت کمزور ہوتی ہے۔ اور یہ کام لوگوں کو تجارت سے روکتا ہے۔ جو لوگ ان لوگوں سے قرض لیتے ہیں۔ ان کو غریب و نادار کرنے میں ایک زبردست آلہ بنتا ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جسکے زہر نے اس ملک کو نقصان پہنچایا ہے وہ ظاہر ہے آج کل کہا جاتا ہے کہ لوگوں کا کروڑوں روپیہ اس میں لگا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر حساب لگایا جاوے کہ انہوں نے ایک قلیل رقم سے کس قدر فائدہ حاصل کر لیا۔ تو اس کی تعداد عربوں سے بھی زیادہ ہو گی۔ اور کتنے

چنداں فرق نہیں ہے۔ گاؤں میں اس کے متعلق پہلے ہی کافی انتظام ہے۔ اس کو
ذرا منظم صورت دیدینی چاہیئے۔ تاکہ لوگوں کو بد اخلاقی سے بچایا جاسکے۔

(۱۴) سکول میں یہ امتیاز بالکل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ یہ کسی خان بہادر یا
رائے بہادر کا فرزند ہے۔ اور دوسرا ایک بہ ظاہر ذلیل پیشہ ور کا فرزند ہے۔
اس میں سکول کے اساتذہ کو خاص ہدایت ہونی چاہیئے۔ بروقت امتحان اس
رنگ کا بھی پرچہ ہونا چاہیئے۔ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ ماسٹروں نے کہاں تک
لڑکوں میں یکسانیت کی روح کو پھونکا۔ کسی کے شریف ہونے کا معیار اس کے
اخلاق سے پرکھا جاتے۔ نہ کہ اس کے دولتمند ہونے سے اور اگر اسی
مضمون پر ایک طالب علم فیل ہے تو اس کو ہرگز ہرگز پاس نہیں کرنا چاہیئے
وہ ملک میں ایک بوجھ ہوگا۔ وہ اپنی صحبت سے دوسروں پر بھی اثر انداز
ہو سکتا ہے۔

(۱۵) ہر شہر میں اسبات کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ عدالت میں جاکر
دیکھا جاوے۔ کہ وہاں ملزم یا بہ صورت دیوانی مدعی مدعا علیہ میں کس قسم
کے مقدمات چل رہے ہیں۔ ہر ممکن کوشش سے ان سے درست حالات
معلوم کرکے ان کو صحیح مشورہ دیکر سمجھوتہ کرانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔
بہ صورت ناکامی اس کام کو چھوڑ نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ جاری رکھنا چاہیئے۔
اگر ملزم کسی اخلاقی جرم میں ماخوذ ہے۔ تو اسکو مشورہ دینا چاہیئے کہ وہ درست
حالات عدالت میں بیان کردے۔ بہ صورت سزا اس پر نظر رکھنی چاہیئے کہ وہ
جیل میں جاکر مزید بدمعاش نہ ہو سکے۔ اور مقررہ سزا کے بعد اسکو ہر ممکن ذریعہ
امداد کرنی چاہیئے۔ اور جس رنگ میں وہ ملک کے لئے مفید ہو سکتا ہو اس سے
کام لیکر اسکو کام پر لگانا چاہیئے۔ اس غرض کے لئے جگہ بہ جگہ رجسٹرات ہیں (۱)

ہوتی ہے۔ ان کے لئے گھر میں بیت الخلا ہونا بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ باہر جاکران کو رفع حاجت کی عادت نہیں ہے۔ اس لئے میں اپنی سمجھ کے مطابق یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اول تو جہاں تک ممکن ہوسکے ایسے پیشے کو حتی الوسع بتدریج کم کرنے کی سکیم جاری کرنی چاہیئے تاکہ آہستہ آہستہ یہ کام بالکل بند ہوجاوے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل باتیں مفید ہوسکتی ہیں۔

(۱) جہاں تک سمندر کا پانی پہنچایا جاسکتا ہے یا دریا کا پانی لے جایا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے کراچی وغیرہ کے طرز پر حاجت خانے کھولنے چاہئیں۔ جہاں فضلہ خود بخود صاف ہوجاتا ہے۔

(۲) ایسے شہروں میں جہاں یہ ممکن نہیں ہے وہاں پر مناسب جگہ پر عورتوں کے لئے ایک جگہ برائے حاجت مقرر کی جاوے جسکو بہ لحاظ آبادی مناسب دور بنایا جاوے۔ بڑے بڑے شہروں میں یہ متعدد ہونے چاہئیں۔ جو شہر کی ضرورت کو پورا کرسکیں۔ اس فضلہ کو ہر روز اکٹھا کرکے کسانوں کے پاس فروخت کرنے کی سکیم بنائی جاوے۔ جس سے فائدہ اٹھایا جاسکے

(۳) یہ انتظام اسوقت تک رہیگا جب تک ملک میں قومی حکومت نہ پیدا ہوجاوے۔ اس وقت بڑی سکیم سے گٹر وغیرہ کا انتظام ممکن ہوسکیگا۔ جب تک ایسا نہ ہو۔ گھروں میں بھی اگر تھوڑا کام جاری رکھا جاوے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ ہم اپنے آپ کو چھوت چھات سے بالکل الگ کرلیں وقت بروقت جب یہ لوگ صاف ہوں۔ تو ہم کو ان کے ساتھ کھانا وغیرہ کھانے میں کوئی دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ خوشی ظاہر کرنی چاہیئے۔ تاکہ ان کے دل میں یہ بات پیدا ہوجاوے۔ کہ وہ محض ملک کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ورنہ ان میں اور مالک مکان میں

(۱۸) روئی وغیرہ کے متعلق میرا خیال ہے اگر ملک میں اس صنعت کو ہر ممکن ذرائع سے یعنی کارخانہ جات کے ذریعہ پارچات کا بنانا۔ اور گھروں میں جہاں تک ممکن ہو زیادہ سوت کاتنا۔ اور پھر اس سوت سے بہترین مفاد حاصل کرنے کے لئے ملک کے آدمیوں کو اس کے بنوانے میں امداد کرنا ضروری ہے تاکہ اس سے ملک کی بیکاری کے دور کرنے میں بھی امداد پہنچے۔ اور ملک کو جو روئی باہر روانہ کرنے کے لئے ضرورت لاحق ہے۔ وہ بھی دور ہو جائے کیونکہ روئی ایک ایسا سٹاک ہے۔ جو زیادہ دیر تک پڑی رہے تو اس میں خرابی ہو جاتی ہے۔ اور اس کی قیمت پہلے سال سے دوسرے سال میں جا کر کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اسکو زیادہ دیر تک باہر روانہ نہ کرنے سے جو نقصان ہے وہ ظاہر ہے۔ لہذا جہاں تک ممکن بلکہ ہر ممکن ذرائع سے اس صنعت کو فروغ دینا چاہیئے۔ اور جب تک ہم پورے طور پر اس صنعت کو اسکی پیداوار کو خود استعمال کرنے کے ذرائع مکمل نہ کر سکیں اس وقت اس قدر سٹاک جو ہمارے خیال میں ملک میں آئندہ بچ رہیگا۔ باہر روانہ کر دینا مفید بلکہ ملک کی دولت بڑھانے میں ممد و معاون ہوگا۔ کیونکہ آئندہ اس کی قیمت کم ہو جائے گی۔ جو ملک کے لئے نقصان دہ ہے۔ ہاں باہر روانہ کرنے سے پہلے ہم یہ ضرور کریں کہ اپنے لئے غیر ممالک میں ایسی مارکیٹ ڈھونڈیں۔ جو ہم کو زیادہ منافع دینے کو طیار ہو۔ مختلف غیر ممالک کے نرخ سے یہ بات بہت آسانی سے حل ہو سکتی ہے۔

(۱۹) ملک میں گداگری کا انسداد اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ جو لوگ تو کام کرنے سے کسی وجہ سے معذور ہیں۔ ان کے لئے ہر بستی اور شہر میں ایک جگہ ان کی رہائش کے لئے بنائی جاوے۔ اور جن لوگوں نے بچوں کے پیدا کرنیکا

اصحاب کے نام تحریر ہوں جس میں مفصل حالات ان کے درج ہوں تاکہ ان کی سزا
کے بعد اسکے متعلق پہلے پروگرام طیار ہو تاکہ جس وقت لوگ باہر نکلیں تو بجائے
اسکے محکمہ پولیس پیچھے جھاڑ کر انکے پیچھے لگ جاوے انکے متعلق تعمیری پروگرام قائم کیا جا
(۶) اسباب کی منظم کوشش جہاں تک امکان میں ہو۔ کہ ہر ایک بستی یا شہر
اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو سکے۔ سوائے غلہ جات۔ وہ بھی ضلع کے خیال سے
کیا جا سکیگا۔ تو ممکنات سے ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ چیزیں مناسب قیمت
پر مل سکیں گی۔ اور ملک کا روپیہ ملک میں رہے گا۔

(۷) ہر ممکن ذرائع غلہ جات کو باہر روانہ کرنے سے گریز رکھا جاوے
اگر باہر روانہ کیا جاوے تو قیمت مناسب لی جاوے۔ تاکہ ملک کی دولت
میں اضافہ ہو سکے۔ جس کا لازمی نتیجہ ملک کے لئے فائدہ مند ہے جس طرح
اس وقت کئی چیزیں جو چیزیں ہمارے ملک میں کم یاب ہیں اور ہم بعض
حالتوں میں ان کے منگوانے پر معذور ہیں۔ اسی طرح غلہ جات غیر ممالک میں
بہت کم تعداد میں ملتے ہیں۔ بلکہ اس وقت ہر ملک کا قدرتی رجحان ایسے
امور پر ہے جو جنگ میں بطور ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں۔ حالانکہ اگر خیال
کیا جاوے کہ خوراک انسان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ جسکے بغیر لڑائی
کرنا بالکل غیر ممکن ہے۔ اس لئے لڑائی کے ایام میں خصوصاً ہم کو اپنے غلہ جات
زیادہ محفوظ رکھنے چاہئیں۔ اور ہمارا یہ فعل فوجی بھرتی کو روکنے میں ممد و
معاون بن سکتا ہے۔ اور ہم کسی جرم کے بھی مرتکب نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس
لئے کسانوں کی حالت کو بہتر بنانا نہایت ضروری ہے اور ایسے کاموں کو کرنا جس سے
زمین کی طاقت میں زیادتی ہو وہ بھی بہت مفید ہوگا۔ اور یہ غلہ جات کی پیداوار
میں بہت مفید ہوگی جتنی زمین زیادہ طاقتور ہوگی اتنی ہی اسمیں پیداوار بکثرت ہوگی۔

اسکو گراہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ خود آگے قدم بڑھا لیتے ہیں۔ تو بھی چنداں احسن کام نہیں
یاد رکھو ملک کا جب تک ایک وجود بھی کمزور ہے اسوقت تک ہمکو کامیاب ہونا مشکل ہے
اس لئے ہمکو بلا امتیاز ایسے کاموں میں لگ جانا چاہیئے جس سے ہم اس مشکل کو
حل کر سکیں۔

(۲۲) موجودہ تعلیم پر خرچ اخراجات بہت زیادہ کرنا پڑتا ہے تعلیم حاصل کرنے
کے بعد ایک طالب علم کو اس قدر کام نہیں ملتا جس سے وہ اپنی زندگی کو ایسے
ماحول میں گذار سکے جس طرح دوران تعلیم میں گذارتا ہے۔ اس طرف متوجہ ہونا
بہت ضروری ہے۔ ہر ممکن ذرائع طالب علم کے اخراجات کو کم کرنے کی کوشش پورے
طور کرنی چاہیئے جسکے کئی فوائد ہونگے۔ طالب علم کی آئندہ زندگی میں بہت کم
مشکلات ہونگی۔ وہ رقم جو اسراف میں خرچ ہوتی ہے۔ وہ دوسرے کاموں میں
خرچ کی جاسکتی ہے۔ ضروریات کی کمی سے بہت ساری چیزیں مثلاً کھلونے وغیرہ
جو اکثر باہر سے آتے ہیں۔ ان کی ضرورت بالکل نہ رہیگی۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ
ان اشیاء پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ وہ محض بے کار ہے۔ بچے کے لئے کھلونے
ایسے ہونے چاہئیں۔ جن سے وہ اخلاقی سبق بھی سیکھ سکیں۔ اور وہ چیز ویسے بھی
اس کے لئے مفید ہو۔ تاکہ آئندہ زندگی میں وہ اپنی طبیعت میں درست انقلاب
محسوس کرے۔

(۲۳) دوران تعلیم میں ماسٹروں کو چاہیئے۔ جہاں تک ممکن ہو وہ طالب علم کی
طبیعت کے رجحان معلوم کرنیکی کوشش کریں۔ یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ دیکھیں کہ وہ
کون سے مضمون میں زیادہ ہوشیار ہے اور پھر اسی مضمون میں اس پر زیادہ زور دیا جاوے
تاکہ قدرت نے جو قابلیت اسکے اندر رکھی ہے اس سے وہ پورا فائدہ حاصل کرسکے
مگر دوسرے مضامین بھی اسکو سکھانے کی ضرورت ہے۔ مگر اس پر زیادہ زور دینے

کام لیا جاسکے۔ ان کو اس قسم کا موقع دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اگر کوئی بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے کچھ کام کر سکتا ہے تو مختلف آدمیوں کی فرائض لگا کر جو وقت مقررہ پر ان کو کام دے جایا کریں۔ اور وقت مقررہ پر ان سے بنا ہوا کام آ کر لے جایا کریں۔ بہت مفید ہو سکتا ہے۔ جو آدمی بالکل بے کار ہوں۔ اور کسی طرح کوئی بھی کام نہ کر سکتے ہوں۔ گو ایسا بہت کم ہوگا۔ کیونکہ میری نظر سے جتنے فقیر گذرے ہیں ان میں سے شاید ایک یا دو ایسے ہوں گے۔ جو قدرتی طرف سے معذور ہوں۔ مگر بیٹھے ہوئے وہ بھی کم و بیش زیادہ نہیں چند پیسوں یا دمڑیوں کی مزدوری کر سکتے ہیں۔ مگر بے کاری کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا انتظام کر دیا جاوے تو گداگری خودبخود دور ہو جاویگی ملک میں گداگری کا نام و نشان مٹ جاویگا۔

(۲) ملک میں جو یتیم و لاوارث بچے رہ جائیں۔ ان کے لئے بھی ہر بستی میں علیحدہ علیحدہ انتظام کر لیا جاوے۔ اور ایک خاص جگہ پر ان کی پوری پوری نگرانی رکھی جاوے۔ فرق صرف اس قدر ہونا چاہیئے۔ کہ ہر بچہ اپنے مذہب کے ماحول کے ماتحت پرورش کیا جاوے اور حتی الوسع اسبات کی پوری پوری کوشش کی جاوے کہ وہ کسی طرح یہ معلوم نہ کر سکیں۔ کہ وہ واقع میں یتیم ہیں۔ کیونکہ اس خیال سے ہی انکو بڑی زبردست ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہے۔ اور اس بات کا بڑا زبردست خطرہ ہے کہ وہ آئندہ کمزور طبیعت واقع نہ ہوں۔ والدین۔ والد یا والدہ مرجانے کے بعد بچے کے دل میں ایک قدرتی احساس اپنی کمزوری کا ہو جاتا ہے۔ اور ہم کو اسبات کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ان کے دل سے یہ احساس مکمل طور پر مٹا دیں۔ تاکہ آئندہ اسکے وجود کی کمزوری ہمارے راستے میں ایک روڑا نہ ہو کیونکہ اگر ہم

سو میرے خیال میں اس صنعت کو قطعاً بند کر دینا زیادہ مناسب ہے
تاکہ وہ زہر جو سینما بچوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ اس سے وہ محفوظ
ہوسکیں۔ یا درکھو سینما دیکھنے والے یا سینما میں کام کرنے والے سب
ایک قسم کے نہیں ہوتے۔ بلکہ متضاد طبائع کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو لوگ
اچھے خیال کے ہیں۔ وہ اگر سینما دیکھیں یا نہ دیکھیں ان کے لئے برابر
ہے۔ جن پر بداخلاقی کا اثر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ وہ ضرور محفوظ ہو
جائیں گے۔ اس صنعت پر ملک کا بہت روپیہ خرچ ہوچکا۔ تاہم یہ سمجھ لینا
چاہیئے۔ کہ تھیئٹر بند ہوگئے ہیں۔ وہی کافی ہیں۔

(۷۲) شہروں میں ایک فرقہ ایسا آباد ہے۔ جو مجبوراً مکمل بداخلاقی کا
نمونہ ہے اور ملک کے احباب نے دیانتداری سے کئی دفعہ اس بداخلاقی
کے نمونے کو دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ کامیاب نہیں ہوئے جس کی
وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے سختی سے اس کام کو دبانا چاہا۔ حالانکہ سختی
ایسی جگہ کام نہیں دیتی ہے۔ کیونکہ ملک میں مکمل اصلاح نہ ہونے کی وجہ سے
نوجوانوں میں آوارگی ہے اور جب تک اس طبقہ کو ان کی امداد حاصل ہے
ان پر زور نہیں چل سکتا۔ کیونکہ نوجوان خود ذمہ کار بنتے ہیں۔ اسکا درست علاج
یہ ہے جہاں تک ممکن ہوسکے ایسے لوگوں کی شادیاں کرکے ان کو گھریلو زندگی
کی خوبیاں ذہن نشین کرانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ اس بداخلاقی
کی زندگی کو لعنت سمجھ کر چھوڑ دیں۔ جب تک کسی انسان کو مکمل طور پر یقین نہیں
ہو جاتا کہ وہ واقع میں غلط راستے پر گامزن تھا وہ اس راستے کو ترک نہیں
کرتا۔ اور انکی ذہنیت کو بدلنے کیلئے ان کو گھریلو زندگی کے لطف سے بہرہ اندوز
کرنیکی توفیق دینے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ گھریلو زندگی میں

کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کی قابلیت جو خاص مضمون میں اس کی طبیعت کے موافق ہے وہ نہ دب جائے۔

(۲۴) ملک میں اول تو میرے خیال میں نمائش کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ نمائش کا لفظ ہی ایسا ہے جسے سنکر ایک سلیم الفطرت انسان نفرت کا اظہار کریگا۔ کیونکہ اس کے معنے ہی ایسے ہیں جسکا مفہوم سوائے اسبابوں کے دوسرا نہیں کہ نمائش ہے۔ مگر اصلیت نہیں ہے۔ تاہم اگر لفظی مفہوم کو الگ کر کے اس خیال سے اس کام کو کیا جاوے کہ دیکھنے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہو کہ وہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق اسبابوں کی کوشش کریں اور صانع حقیقی کی قدرت کو ملاحظہ کر کے اپنی طبیعت میں جدت محسوس کریں۔ نہ کہ باہر آ کر اس بیان سے ہی خوش ہو جائیں۔ کہ ہم نے وہاں یہ دیکھا۔ وہ دیکھا۔ اسکا چنداں فائدہ نہیں۔

(۲۵) اخبارات میں جہاں تک ممکن ہو درست اور صحیح خبریں درج ہونی چاہئیں اور ایسے مضمون سے بالکل اعراض رکھا جاوے جس سے کسی انسان کو دکھ یا تکلیف کا ذرا سا بھی احساس ہو۔ اور یہ خود اپنی طبیعت پر انسان اندازہ لگا کر دیکھ سکتا ہے۔ ہرچہ بر خود میپسندی بر دیگراں مپسند۔

(۲۶) سینما کی تحریک جس نے اس وقت تھیٹروں کو تو بالکل بند کر دیا ہے اور میرے نزدیک یہ ہی ایک اچھا کام ہے جو اس صنعت نے ہندوستان میں کیا۔ اور اگر یہ سینما جاری نہ ہوتے۔ تو تھیٹروں میں جو کچھ ہوتا تھا وہ ایک رنگ میں زیادہ بد اخلاق بنانے میں ممد و معاون ہوتا تھا۔ سینما میں تو ہم صرف تصویر کو بد اخلاقی کے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ لیکن تھیٹروں میں ہماری نگاہیں مجسم بد اخلاقی کو دیکھتی تھیں۔ مگر چونکہ بے جا اصراف کے علاوہ اس سے بچوں کے اخلاق پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

اگر اپنی اپنی جگہ پر یہ خیال فرماویں۔ کہ آیا وہ جس روش پر چل رہے ہیں۔ وہ ملک کے لئے درحقیقت مفید بھی ہیں کہ نہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیشہ درست کوشش کامیاب ہوتی ہے۔ دنیا میں بڑی بڑی طاقتیں گذری ہیں۔ بالی ایسا تنومند انسان تھا جو نصف طاقت انسان کی اپنی کشش سے کھینچ سکتا تھا۔ قدرت نے اسکو ایسا با رعب بنایا تھا اس کے رعب سے انسان مرعوب ہو جاتا تھا۔ مگر وہ بھی نہیں رہا۔ راون جس کے متعلق تحریر ہے کہ اس نے موت کو اپنے قبضہ میں رکھا ہوا تھا۔ مگر اس پر وہ قادر نہ ہو سکا۔ بلکہ موت نے آخر اس کو دبا لیا۔ اور اس کی سب کوشش بے کار گئی۔ تاریخ اپنے واقعات کو دوہراتی ہے۔ انسان کو ایسے واقعات ظاہر کرتے ہیں۔ کہ دراصل اس ساری کائنات کا ایک صانع ہے جس کے قدرو قبضہ میں سب کچھ ہے۔ اور وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہ ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیتا ہے۔ آج تک کوئی دنیا کی ایسی مثال نہیں جس میں اس نے سچائی کا ساتھ نہ دیا ہو۔ وہ سچا ہے اور ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیتا ہے باقی چونکہ اس کے اندر کئی صفات ہیں جنکے ماتحت وہ ہر فرد کو روزی پہنچاتا ہے اور اس میں اس نے ایک حد تک برے بھلے میں کوئی تمیز نہیں رکھی۔ ہاں جب وہ کسی سچائی کو قائم کرنا چاہتا ہے تو وہ بدی کی جڑ کو دنیا سے اکھاڑ دیتا ہے۔ اس وقت اس کو خیال ہوتا ہے۔ کہ اگر برائی دنیا میں رہی تو نظام دنیا میں فرق پڑنے کا اندیشہ ہے۔ لہذا وہ اس کی جڑوں کو زمین سے نکال دیتا ہے باقی اس کی قدرت کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے بزرگ و برتر پیغمبر اس مالک حقیقی کی قدرت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اور اپنی عاجزی کا اقرار اس کو حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے باوجود بار بار سمجھانے کے کرنا پڑا۔ سو میرا خیال ہے کہ

بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔ جس وقت اس رنگ میں اس فرقہ پر قابو پالیا۔ باقی باتیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

(۲۸) اس بد اخلاقی کی ایک وجہ یہ بھی ہو جاتی ہے کہ ہم نوجوان قابل شادی لڑکیوں کو شادی کا موقعہ دینے سے قاصر رہتے ہیں اور پھر اپنی زندگی میں بھی ہم تبدیلی نہیں۔ تاکہ اگر ہم کسی وجہ سے ان کی شادی سے قاصر ہیں تاہم اپنے عمل سے بھی ظاہر کریں کہ درحقیقت ہم کو ان کا بہت فکر ہے۔ اور اس قدر فکر ہے کہ ہم اپنے عیش و آرام کو اُن پر قربان کر رہے ہیں۔ اسباب کا اثر ہمارے بچوں پر ہمارے عمل سے پڑتا ہے جس کا جو کچھ نتیجہ نکلے۔ وہ کم ہے۔ کیونکہ ہم خود اس میں ممد بنتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم جس قدر اس سے بچ سکیں۔ اسی قدر بہتر ہے میرا اپنا عقیدہ اس کے متعلق یہاں تک ہے۔ کہ بچے کے سامنے بھی ہم کو اپنی بیوی سے بات خاص کرنے میں احتراض کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بچے کا دماغ بڑے کے دماغ سے زیادہ قوت جاذب رکھتا ہے۔ اس میں فرق صرف یہ ہے کہ بڑے بچے میں توجہ کر کے سمجھنے کی ہے۔ وہ بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اور چھوٹے بچے کا دماغ فونوگراف کے ریکارڈ کی مانند ہے جہاں بات نقش ہو جاتی ہے اور آئندہ زندگی میں اسکے مطابق عملدرآمد کرنیکی کوشش کرتا ہے دونوں صورتیں خطرناک ہیں اس سے بچنے کا علاج پہلے درج کر چکا ہوں جو بالکل سہل ہے

(۲۹) ملک میں اخباروں کو اپنے طور پر چلانا چاہیئے جس سے ملک کی بہتری مقصود ہو نہ کہ کسی فرقہ کی بہتری مقصود ہو۔ یہ فرقہ ہمارے ملک بہت خطرناک ثابت ہو رہا ہے کیونکہ اگر یہ دیانتداری سے کام کریں۔ تو ملک میں اصلاح میں ممد و معاون بن سکتے ہیں مگر بدقسمتی سے ان لوگوں کی ذہنیت لکھے پڑھوں جیسی ہے جو روزانہ شائع کرتے ہیں سال سے صاف عیاں ہے

جو ہمیشہ سے قائم ہے اس میں فرق نہیں ہوگا۔ چاہے دنیا کے لوگ اپنی ساری طاقت خرچ کردیں۔ کیونکہ مشیت ایزدی یہ ہی ہے۔

ملک کے اخبار نویس یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ خبروں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ کیونکہ خبریں ان کو باہر سے ملتی ہیں۔ سو اُن کو خبر دہندہ کا مکمل پتہ درج اخبار کردینا چاہیئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ ملک کے نوجوان اُن کو درست اطلاع دینے پر مجبور ہوجائیں گے۔ ورنہ ان کو خیال ہوگا۔ کہ بصورت غلط خبر دینے ان سے بازپرس ہوسکتی ہے۔ اور ان کو بھی اور اخبار نویسوں کو بھی اصلاح کا موقعہ میسر آجائے گا۔ اور دنیا ایک حد تک جھوٹ کی لعنت اگر ہے۔ تو اس سے سبکدوش ہوجاویگی۔ کیونکہ قومی کیریکٹر پر اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ اخباروں کے لئے یہ شاہراہ بڑی اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس کی ذمہ داری بھی اس حد تک اپنی ہے جو مضمون وہ اپنی قلم سے خود تحریر کرتے ہیں چونکہ وہ اس کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کے اپنے خیالات کا مرقع ہوتا ہے لہذا انکو اس ذمہ داری کے اٹھانے میں بھی باک نہیں ہوگا۔ باقی کے لئے خبر دہندے یا مضمون نگار خود ذمہ دار ہیں۔ ہاں کسی بات کا چھپانا ان کے لئے موجب بے ایمانی اور دروغگوئی ہوگا۔ جھوٹ ایک زبردست لعنت ہے۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے مطابق سب بدیوں کا سردار ہے اس صورت میں اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ایسے سنگین جرم کے مرتکب کی سزا میرے احاطہ بیان سے باہر ہے کیونکہ اگر یہ چھوٹ گیا۔ تو سب کچھ چھوٹ گیا۔ اور اگر خدانخواستہ یہ رہا۔ تو سب بدیاں قائم ہیں۔ اور یہ ایک خطرناک راستہ ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔ ثم آمین۔

ملک کے اخبار نویسوں کو چاہیئے۔ کہ بہ توکل باری درست طور پر ملک کی راہنمائی کریں۔ اسباب کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ مالک حقیقی جو کچھ وہ درست سمجھتا ہے وہی کرتا ہے۔ وہ حکیم مطلق ہے۔ وہ غلطی بھی نہیں کرسکتا۔ اور نہ وہ انسان کے تخیل میں آتا ہے۔ تو خواہ مخواہ گمراہ کن خبروں سے ملک کا کوئی نقصان وہ نہیں کر سکیں گے۔ ہاں اپنی نیتوں کے مطابق ان کو ثمرہ مل جائیگا۔ اسباب کا انسان کو ہرگز مان نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ وہ جب چاہے ہر بات کو اپنے رنگ میں ڈھالنے پر قادر ہے کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ کل کیا واقع ہو جائے جو پوزیشن کو بدل دے۔ وہ اس کام پر قادر ہونے سے ہی محروم ہو جاوے جس کے متعلق وہ سمجھتا ہے کہ وہ جب چاہے اور جیسا چاہے کرنے پر قادر ہوسکتا ہے۔ منشا الہیٰ صرف اس قدر ہے۔ کہ تم اپنی ہستیوں کو درست کرکے صحیح عمل کرو۔ باقی کام مالک حقیقی پر چھوڑ دو۔ وہ جیسا چاہیں گے کریں گے۔ بہرحال کام تو اسی نے کرنا ہے۔ ہاں اگر بدقسمتی سے اس پر ایمان ہی نہیں ہے اور انسان یہ سمجھ لے کہ بس یہ دنیا ہی دنیا ہے اور اس پر کوئی طاقت حتیٰ کہ مولا کریم کی طاقت بھی قادر نہیں ہوسکتی۔ تو الگ بات ہے۔ اس وقت مولا کریم کو اپنا وجود دنیا میں ثابت کرنا مقصود ہوگا۔ تو وہ ضرور ایسے ذرائع مہیا کردے گا۔ جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ وہ واقع میں موجود ہے۔ اور یہ دنیا خود بخود نہیں ہے بلکہ صانع حقیقی کے حکم کے اندر ہے۔ اور اس کے لئے میرے نزدیک اس نے اپنے مامور کو دنیا میں کھڑا کرکے ایک جماعت قائم کردی ہے۔ جو خود بخود دنیا کو ایسے راستے کی طرف راہنما کردیگی۔ جس پر چل کر دنیا کے لوگوں کو اس مالک حقیقی کا پتہ چل جاوے اور باقی اللہ تعالےٰ اس کے متعلق وہی سنت استعمال فرمائینگے

اس خلیج کا پاٹنا ہمارے لئے ایک بہت سہل اور آسان علاج ہوگا۔
اول تو میرے خیال میں بعد میں جھگڑا ہی نہیں ہوگا۔ واقعات یہ ثابت کردینگے
کہ ہم کو ایک دوسرے کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کامیابی
نہیں ہوسکتی۔ پچھلے واقعات اس بات کے لئے ہمارے راہ نما ہونگے۔ جو
ہمارے لئے کافی اور زبردست دلیل اور شاہ راہ ہوگی۔ تاہم اگر خدا
نخواستہ بعض حالات کے ماتحت ایسا ہوا کہ ہم اس میں جلد متحد نہ ہوسکے
تو مسلمان کو تو اس یقین پر پورا پورا اعتماد رکھنا چاہیئے۔ جو قرآن مجید نے
ایک مسلمان کی طاقت کے متعلق فرمایا ہے۔ آخر بہر حال مسلمان کا وجود دنیا
میں امن وسلامتی پیدا کرنے کے لئے آیا ہے نہ کہ یہاں بیٹھ کر عیش اڑانے
کے لئے۔ خداوند تعالے نے پہلے ہی جسقدر احکام اس کے لئے فرمائے
ہیں۔ اس میں اس کو صاف طور پر معلوم ہو جائے گا۔ کہ مولا کریم نے اسکو
دنیا میں برائے عمل اور دوسروں کے لئے نفع رساں ہونے کے لئے دنیا
میں پیدا کیا ہے۔ اور اس کے ان اعمال احسن کی جزا اسکو بعد میں ملے گی
اور اسی واسطے مولا کریم نے کلام پاک کو تمام جہانوں کے واسطے نازل فرمایا
ہے اور یہ اسباب کی اصل ہے کہ ہم ذات باری کے اس ارشاد کے مطابق
اپنے اعمال میں تبدیلی کریں۔ اور دنیا میں ثابت کردیں۔ کہ ہم دراصل اس غرض
کے لئے آئے ہیں۔ ہاں اگر اس کے بعد بھی وہ راہ راست پر آنے کو طیار نہ
ہوں۔ تو ہم کو ان کے معاملہ کو سپرد خدا کردینا چاہیئے۔ آخر مولا کریم
پر ہمارا پورا پورا ایمان ہے۔ تو ہم کو چاہیئے۔ کہ جہاں تک بھی جن شرائط پر
ہمارا مد مقابل راضی ہو۔ ہمیں ان کو منظور کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں
کرنا چاہیئے۔ بلکہ توکل باللہ ہم کو ہر شرائط پر صلح کا ہاتھ بڑھانے کے لئے

(۳۰) ہمارا ملک بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ایک معجون مرکب کا ایسا مجموعہ ہے جس کے اجزا ایسے مختلف ہیں کہ ان کی خاصیت بالکل متضاد ہے۔ جس کے سبب سے وہ ایک دوسرے سے جدا جدا معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ جس بات کو ہم بہت مشکل خیال کرتے ہیں وہ بہت آسان راستہ ہے اور تھوڑی سی سمجھ کی ضرورت ہے۔ دنیا میں کسی قسم کا بھی اختلاف ہو انسان کو ہر حال میں اپنے اوپر اعتماد ہونا چاہیئے۔ دراصل یہ ہمارے اپنے دل کی بداعتمادی ہے جو ہم کو اور دل سے ملنے کو روکتی ہے۔ اور ہم الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔ کہ وہ ہماری شرائط ماننے کے لئے طیار نہیں ہے اور اس خیال سے کہ بجائے اس کے ہم کسی نتیجہ پر پہنچیں ہمارا اختلاف زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم اپنے رنگ میں درست ہیں مگر دوسرا اسکو تسلیم کرنے کے لئے طیار نہیں ہے۔ تو ہم کو زبردستی اسکو تسلیم کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ آئندہ واقعات سے ہم اسکو ذہن نشین کرادیں کہ درحقیقت ہم نے جو پوزیشن اپنی ظاہر کی تھی۔ اس پر زور دینے سے ہم حق بجانب ہیں اور جب تک ہم حقائق سے یہ ثابت نہیں کرتے ہیں۔ ہمارے خیالات کی وقعت ایک کاغذ کے پرزے سے زیادہ نہیں ہے جس کے کمزور ہونے کا ہر وقت اندیشہ ہے سوم یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ ہم کو ہر شرائط پر صلح کر لینی چاہیئے۔ اور ہمکو جتا دینا چاہیئے۔ کہ ہمارے اندر اس قدر وسعت قلب ہے کہ ہم تمہاری بات ماننے کو طیار ہیں۔ پھر جبکہ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم کو ایک بڑے اور اہم کام کے لئے اس میں متحد ہوتا چاہیئے۔ جو اس کام سے درحقیقت بڑا ہے۔ جب اس میں کامیاب ہو جاویں گے۔ تو ہم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ

کسی چیز سے نہیں گھبراتے۔ بلکہ ہم اپنی روش سے بتا دیں۔ کہ دشمن یا دوست جس رنگ میں ہم کو کمزور خیال کرتا ہے اسی رنگ میں ہمارے ساتھ مقابلہ کرے۔ ہمیں کوئی عذر نہیں۔ اتنا مجھے کامل یقین ہے۔ کہ مولا کریم کا منشا اس وقت دنیا میں اپنی شریعت کو قائم کرنیکا ہے اور کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ اس موقعہ سے اگر ہم نے فائدہ نہ اٹھایا تو ہم گھاٹے میں رہیں گے۔ اور آئندہ نسلیں اسباب پر آنسو بہائیں گی۔ کہ ہم نے کیا کیا۔ یاد رکھو۔ اور غور سے سن لو۔ اور اسبات کو ایک پختہ گرہ دے لو۔ کہ مولا کریم جب اپنے کام کا ارادہ فرماتے ہیں۔ تو وہ اس کے لئے ویسی زمین طیار کر دیتے ہیں۔ اور پھر اس اقعات کو دنیا کی بڑی بڑی طاقت یا طاقتیں مل کر بھی بدل نہیں سکتیں۔ یوں تو مولا کریم ہر وقت دنیا کے نظام کو تھامے ہوئے ہیں۔ اور بغیر مرضی ایک پتہ ہل نہیں سکتا۔ مگر جب دنیا میں گمراہی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے فضل کی بارش فرماتا ہے اور اس فضل کی بارش سے ہر ایک اپنی اپنی استعداد کے مطابق حصہ لے لیتا ہے۔ چنانچہ کلام مجید بھی دنیا میں ایک رحمت بن کر آیا تھا اور اس کے متعلق جسکے ذریعہ یہ دنیا میں معرض وجود میں آیا۔ مولا کریم نے رحمۃ اللعالمین کا لقب عنایت فرمایا ہے۔ مگر جیسا کہ میں پہلے تحریر کر چکا ہوں۔ جو لوگ ابو جہل کی صفات اپنے اندر رکھ لیتے ہیں۔ اور کلام پاک میں بھی ان کے متعلق ایسا ہی ارشاد موجود ہے کہ یہ بہتوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے اور بہتوں کے لئے گمراہی کا۔ اور گمراہی نہیں دیتا مگر ان لوگوں کو جو بد عہدی کرتے ہیں۔ یاد رکھو بد عہد کا درجہ کافر سے بھی زیادہ ہے۔ کلام مجید میں اسکو فاسق یا منافق کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ جب تک خود انسان اپنے آپ کو بظاہر مسلمانوں میں شامل رکھتا ہے اس وقت تک وہ منافق ہے

تیار ہو جانا چاہیئے۔ بلا امتیاز اس کے کہ وہ شرائط بڑی طاقت کی طرف سے ہوں یا چھوٹی طاقت کی طرف سے ہوں۔ مولا کریم ہر حال میں قادر مطلق ہیں۔ اورچونکہ اب زمانہ کے حالات کے مطابق یہ اچھی طرح واضح ہو چکا ہے کہ مولا کریم نے حقیقتاً حقیقتاً اپنی شریعت کے قائم کرنیکا ارادہ کرلیا ہے سو جلد یا بدیر وہ اسکو قائم کردیں گے۔ اور کوئی طاقت کمزور یا زبردست اس کو روکنے سے قاصر ہے اس بات کا خوف دل میں سے بالکل نکال دینا چاہیئے۔ کہ آئندہ کیا ہوگا۔ وہی ہوگا۔ جو پہلے انبیا کے وقت ہوتا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اب بھی اسی طرح پوری ہوگی۔ جس طرح پہلے وہ ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں۔ دنیا کی منشا صرف درستی کو دیکھنے کی ہے اور مولا کریم ضرور دکھا کے چھوڑینگے۔ ہر بات کی ایک حد ہے ہاں مولا کریم کے کاموں کی کوئی حد نہیں ہے۔ حد صرف انسانی کاموں کی ہے کیونکہ انسان کا دائرۂ عمل محدود ہے۔ ہاں مولا کریم کا دائرہ عمل لامحدود ہے۔ جیسے کہ وہ خود بھی لامحدود ہے اور ہم اپنی عقل کے مطابق ایک بات کو سوچتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کو حضرت موسیٰ جیسا اولوالعزم نبی بھی نہیں سمجھ سکا۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات اگر انسانی عقل کے اندر آجائیں تو سمجھو کہ وہ مولا کریم پر نعوذ باللہ قادر ہو گیا۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ہم کیوں ریوڑی کے پھیر کی طرح گھومیں۔ بلکہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے بہادر بن کر سب کچھ منظور کرلینا چاہیئے ایک بہادر جسم ثقیل دشمن کو سلا کر یا جب وہ قابو آجاوے ہلاک نہیں کرتا۔ بلکہ فراخدلی سے کام لیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اس قسم کی متعدد مثالیں ملینگی۔ اب بھی اگر دنیا میں رہنا ہے۔ اور ہم آپ کو واقعی مسلمان خیال کرتے ہیں تو ہمیں دنیا کو بتا دینا چاہیئے۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور

وہ دراصل غلط راستہ پر چل رہا تھا۔ اور محض اپنی غلطی کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو خراب کیا۔ ورنہ معاملہ بالکل صاف تھا۔ اور واضح کیا تھا اس سے کہا گیا تھا۔ کہ وہ سیدھے راستے سے مولا کریم کے پاس آجاوے اور اپنی تجویز دنیا ایک حد کے بعد ترک کردے۔ تاکہ مولا کریم اس سے راضی ہو جاویں۔ مگر انسان چونکہ بعض اوقات تو مولا کریم کے ایمان اور طاقت سے محروم ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات وہ سمجھتا ہے کہ دراصل جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ درست اور صحیح عمل ہے۔ اس کی دو حالتیں درست نہیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس کو ایک نہ ایک رنگ میں اپنے آپ کو درست ثابت کرنے کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ وہ نہ ادھر کا رہے نہ ادھر کا رہے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ راستہ وہی درست ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف انسان کو لے جانے والا ہو۔ دوسرے راستے سب ان کے ماتحت ہیں۔ تاہم اگر انسان یہ خیال کرے کہ وہ راستہ کسی وجہ سے اس کے لئے بند ہو گیا ہے۔ تو اس کو دوسرا راستہ ضرور اختیار کر لینا چاہئے۔ تا اللہ تعالیٰ اس ذریعہ سے ضرور اس کو ہدایت عنایت فرمائیں۔ جو ذریعہ مولا کریم نے اپنی رب العلمین کی صفت کے اندر بیان فرمایا ہے۔ اور اس کے لئے اسکو صاف گوئی سے کام لینا چاہیئے۔ تاکہ منافق یا فاسق کی حد سے نکل سکے۔ اور اپنی پہلی پوزیشن توبہ و استغفار سے صاف کر لیوے۔ تاکہ مولا کریم کچھ نہ کچھ حصہ جو لفافا یا ہو۔ اس سے اسکو بہرہ مند فرما سکیں۔ ورنہ مولا کریم اسباب کی پرواہ نہیں فرمایا کرتے۔ اس کا نتیجہ اس کے حق میں یا اس کے بچوں کے حق میں کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ مولا جو حضرت موسےٰ کو فرعون کے گھر پر پرورش دے سکتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں جسکو کرنے پر وہ قادر نہ ہو سب

اور جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے ماتحت اس کے اندرون کو ظاہر فرما دیتا ہے اس وقت وہ فاسق ہو جاتا ہے یعنی اپنے عہد کو بدلا تو ڑنے والا۔ یاد رکھو منافق کا پتہ لگانا بڑا مشکل امر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ کہ وہ اس کی نیت کو ظاہر فرما دیتا ہے۔ کیونکہ منافق کی پوزیشن ایسی ہوتی ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے اندر آتا ہے تو ان کی باتیں سننا چاہتا ہے۔ تو ان پر پورے طور پر یہ ہی ظاہر کرتا ہے۔ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور کسی طرح تم سے الگ نہیں۔ اور جب کافروں سے ملتا ہے تو ان کو کہہ دیتا ہے۔ کہ تم تو اچھی طرح میرے رازوں سے واقف ہو۔ میں تو محض تمہارے لئے ان کے ہاں گیا تھا۔ دراصل ایسے انسانوں کی فلاح ناممکن ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ساتھ اوروں کو تباہ کرنے کا موجب بنتا ہے کیونکہ وہ اپنی طرف سے یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم نے کامیابی حاصل کر لی۔ مگر اللہ تعالیٰ جس کی نگاہیں دلوں پر ہیں اور جو انسان کے پوشیدہ در پوشیدہ رازوں سے واقف ہے۔ وہ ان کی باتوں سے اسکو پھنسانے کی تجویز فرما دیتا ہے۔ اور ایسی بری طرح ان کی گرفت فرماتا ہے اس وقت وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے کیا کیا۔ مگر اس وقت یہ بات ان کو فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ ان کے عذاب کو ان کے گندے دلوں کی وجہ سے سخت فرما دیتا ہے اور یہ ایک بڑی زبردست دلیل ہے اس بات کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی تدبیر خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر ہیچ ہے اور وہ ہر حال میں اس کے لئے نقصان دہ ہے انسانوں کو جو غلطی لگی رہتی ہے وہ اس بات کی ہوتی ہے وہ دراصل خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ درست راستہ پر تجویز کو لئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اپنے ہی حالات کا اندازہ لگانے کے قابل ہوں تو ان کو صاف نظر آئیگا کہ

مہذب ترین احباب اپنی مثال کا نمونہ ان کے آگے پیش کریں۔ تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ملک اس وقت ان سے کیا چاہتا ہے۔ اور یہ چیز لیکچروں اور تقریروں سے ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ لوگ اس رنگ میں کبھی نہیں سمجھ سکتے بلکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ خلافت تحریک جو ہجرت کے بارے میں ہوئی تھی اس کی تہہ میں ناکامی کا راز یہی تھا۔ اگر بڑے بڑے علما خود اپنا نمونہ اس وقت پیش فرما دیتے۔ تو وہ کبھی ناکام نہ ہوتی۔ اور کابل میں جا کر جو تکلیف ان غریبوں کو ہوئی۔ اس سے بھی وہ محفوظ ہو جاتے۔ کیونکہ کابل کے باشندوں اور افغانستان اور سرحد پار کے لوگوں میں علماؤں کی بہت قدر ہے۔ چنانچہ امان اللہ خان کی ناکامی کا باعث بھی علما ہی ہوئے ہیں۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ لوگ لحاظ اپنے اعتقاد میں کس قدر پختہ ہیں۔ میرے نزدیک بادشاہ امان اللہ کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب وہاں کے علما کی مخالفت تھی۔ اور علما کا اثر اس ملک میں بہت زیادہ ہے چنانچہ رعیت کے متعلق امان اللہ خاں کو غازی مصطفٰے کمال پاشا نے پہلے سمجھا دیا تھا۔ کہ وہ اصطلاحات جاری کرنے سے پہلے یہ معلوم کرے۔ کہ آیا رعیت اس کا ساتھ بھی دیگی یا نہیں۔ کیونکہ اگر رعیت اس سے مخالف ہو جائے تو کام ناممکن تو نہیں مگر مشکل ضرور ہو جاتا ہے اور غازی امان اللہ خاں نے چونکہ اصطلاحات ایسے رنگ میں شروع کی تھیں جس میں شریعت غداوندی پر بھی زد پڑتی تھی۔ اس لئے علما کو موقع مل گیا۔ کہ وہ بادشاہ کی اس روش کے برخلاف عوام کو بھڑکا سکیں۔ چنانچہ میں نے زوال غازی کے متعلق جو کتاب عزیز ہندی نے تحریر کی ہے پڑھی ہے۔ مجھے اس سے بالکل اتفاق ہے کہ وہ موٹریں جن پر لڑکیاں باہر روانہ کی جارہی تھیں۔ قبائل کے ہاتھ آجائیں

مشکلات کا حل اس کے پاس ہے۔ انسان کو اسی سے اپنا رشتہ اتحاد قائم کرنے کی بہت کوشش کرنی چاہیئے۔ کلام پاک پر نہ صرف زبانی بلکہ ویسے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہ مولا کریم کا کلام ہے۔ اور دین دنیا کی سب ضروریات اس کے اندر موجود ہیں۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس سے باہر ہو۔ یہ ہی کلام ہے جس پر چل کر انسان کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

(۳۱) ملک میں بیوگان جو قابل شادی ہیں۔ بلا امتیاز مذہب و ملت انکی شادی ضروری کرنے کے لئے پوری تن دہی سے کوشش کرنی چاہیئے اور ان کو یہ بتا دینا چاہیئے۔ کہ ملک کو اس وقت تک بچوں کی تعداد بڑھانے کی بڑی زبردست ضرورت ہے اور ان کو محض ملک کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اگر ان کے اپنے جذبات اس کے مخالف بھی ہیں۔ تو بھی محض ملک اور قوم کی خاطر اپنے جذبات کو قربان کرنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ ہاں ایسی بیوگان جو قابل شادی تو ہیں مگر ان کی صحت اسباب کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ وہ شادی کریں۔ یا ان کے متعلق یہ پختہ یقین ہو گیا ہے۔ کہ اب وہ بعد شادی ملک کے لئے ایسے رنگ میں جن کی توضیح میں نے کر دی ہے۔ مفید نہیں ہیں۔ انکو اسباب کے لئے بری الذمہ خیال کر لیا جاوے اور کسی دوسرے رنگ میں ان کی خدمات کو حاصل کرنے کی سعی کی جاوے۔ ان کو دینی کام کرنے پر لگایا جا سکتا ہے۔ اور ایسی دستکاری کا کام ان سے لیا جا سکتا ہے۔ جو انکے ماحول کے مطابق مناسب حال ہو۔ تاکہ ملک کی کوئی طاقت ضائع نہ رہے بلکہ ملک میں دولت کو بڑھانے کا ذریعہ ہو سکے۔

(۳۲) ملک کے وہ گریجوایٹ جنکو تن آسانی کی عادت پڑ چکی ہے۔ جو صرف اسی طرح راہ راست پر آ سکتے ہیں۔ کہ ملک کے بڑے بڑے سربرآوردہ اور

بہت زبردست دھوکا کھا سکتا ہے۔ اور کھا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر انسان اپنے اپنے ماحول کے مطابق ترقی کرسکتا ہے جس کے بغیر اس کی ترقی تو کجا اس کے تنزل کا بڑا احتمال ہے۔ کیونکہ یہ صرف صحیح اور درست طریقہ سے ہی ترقی کرنے کے قابل ہو سکتا ہے ورنہ غلط ماحول میں اس کی استعداد کو استعمال کرنے سے اس کی استعداد جو قدرتی ہیں غیر قدرتی طریقہ سے مشتعل کرنے سے جو نتیجہ نکلیگا۔ وہ انسان کو پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے۔ دراصل یہی ایک اصل ہے جس پر انسان کے عمل کا دارومدار ہونا چاہیئے۔ یہ ہی اس کی شاہراہ ہونی چاہیئے۔ انسان ایسے معاملات میں اکثر دہوکا کھا جاتا ہے اور دنیا میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک انسان زمیندارہ کے کام میں ماہر ہے اور وہ اس ذریعہ سے بخوبی کام چلا رہا ہے اس کو اگر شہر میں لاکر دوکان کا کام کروانے کی کوشش کی جائے۔ اول تو ہم نے ایک کارآمد کام سے اس کو الگ کیا جس میں وہ مزید ترقی کرنے کے قابل تھا۔ دوئم اسکو نئے سرے سے ایک کام میں لگا کر اس کے ذاتی جوہر کو جو قدرت نے اس کے اندر ودیعت کیا ہوا ہے اس کو بیکار کردیا۔ سوئم نئے کام میں اس کی ناکامی کے ہم خود ذمہ دار بنتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ناکام ہو مگر ایسا اکثر ہوا اور ہونے کا پورا احتمال ہے۔ تو اس کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ اور اس پر نہیں۔ ہاں ہماری غلط کاری کا جو نقصان اس کو پہنچے گا۔ وہ چونکہ ہماری وجہ سے ہوا۔ اس کا پورا پورا خمیازہ ہم کو بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے ہاں اگر وہ خود اپنے کام سے الگ ہو جائے تو بے شک وہ خود ذمہ وار ہے۔

(۳۵) علما اگر بعض حالات میں کامیاب ہو جاویں۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہیں

تو غازی امان خاں کا زوال اول تو ہوتا ہی نہ ۔ اور اگر خدانخواستہ ہوتا بھی ۔ تو جلدی نہ ہوتا ۔ کیونکہ ممکن تھا ۔ کہ غازی کو شریعت احکام کے مطابق اصطلاحات کرنے کا موقع مل جاتا ۔

(۳۳) ملک کے نادار غریب اور بے علم طبقہ کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے ان کے ماحول کے مطابق کام تلاش کرنا چاہیئے ۔ اور یہ اس طرح بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے کہ ان کو جہاں کہ وہ رہتے ہیں وہاں پر کام پر لگا دیا جاوے اور گاؤں اور بستی یا شہر کے کارکنوں کو ان کی نگرانی پر مقرر کر دیا جاوے جو وقتاً فوقتاً ان کو مل کر سمجھاتے بھی رہیں اور ان کی کارکردگی کی نگرانی بھی کرتے رہیں ۔ اور ان میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ان کو اپنے نمونہ سے سمجھا دیں ۔ نہ کہ باتوں سے ۔ نمونہ کا اثر باتوں کے اثر سے زیادہ ہوتا ہے ۔ باتوں کے متعلق انسان کو غلطی لگ سکتی ہے ۔ مگر عملی رنگ میں جب انسان ایک بات دیکھتا ہے ۔ تو اس کا اثر بہت ہوتا ہے ۔ اور اس اثر کو جلد یا بدیر انسان قبول کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے ۔ ہاں کوئی بالکل ہی غبی نہ ہو گیا ہو ۔ سو ایسا وجود خود بخود کٹ جاویگا ۔ اس کو اپنی طرف سے دکھ یا تکلیف دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے ؎ غریبے کہ ہر فتنہ باشد سرش

میازار و بروں کن از کشورش

یعنی اپنے دل میں اس کی بھلائی کی نظر رکھ ۔ اس کے کردار کو اس پر چھوڑ دے ۔

(۳۴) ہر چیز کی صحیح استعداد کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے ۔ کہ اس کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی جائے ۔ بعض دفعہ اس کے نہ سمجھنے سے انسان

تھا۔حضور کے حصے میں مال غنیمت سے کچھ کپڑا آیا۔مگر اس سے چادر حضور کی بن نہیں سکتی تھی۔حضور نے اپنے فرزند سے کپڑا لیکر چادر طیار کروائی۔جب کسی نے اعتراض کیا کہ شاید آپ نے اس سے زائد حصہ لیکر یہ چادر طیار کروائی ہے۔ تو آپ نے فوراً اپنے فرزند کو بطور گواہ پیش فرما دیا۔ اور اس نے برملا گواہی دی کہ ان کے والد نے اُن سے کپڑا لے کر چادر تیار کروائی ہے

(۳۶) مشیت ایزدی چونکہ عالم الغیب ہے اور اس لحاظ سے ہر ایک امر کے متعلق ایسا وقت فرماتا ہے جو در اصل اسکے لئے موزوں اور درست ہوتی ہے اور نادان کج فہم انسان یہ سمجھتا ہے۔ کہ مالک حقیقی نے اس کام کو ایسے وقت نہیں کرنا چاہیئے تھا۔اس کے لئے دوسرا وقت ہونا چاہیئے۔ مگر چونکہ انسان کا نظریہ بہت کوتاہ ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنکو مولا کریم چشم بصیرت عطا فرماتے ہیں۔لہذا وہ نہیں سمجھتے۔کہ ایسا کیوں ہوا۔مگر ذات ایزدی کو سمجھنے کے لئے نہ صرف چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔بلکہ اس کی تجلی کو قبول کرنے کے لئے دل وگردہ بھی ہونا ضروری ہے آخر ذات باری کی تجلی تھی جس کی تاب نہ لاکر حضرت موسےٰ کوہ طور پر بے ہوش ہوگئے تھے۔ حالانکہ موسےٰ کو کریم نے سب کچھ سمجھا دیا تھا۔اور نہ صرف سمجھا ہی دیا تھا۔ بلکہ خبردار کر دیا تھا۔ مگر وہ تاب نہ لاسکے۔جس سے میں سمجھتا ہوں۔کہ انہوں نے جلدی کی۔حالانکہ وہ جلدی مشیت ایزدی کے ماتحت ہوتی تو درست اور واجب تھی۔مگر حضرت موسیٰ کی جلدی ان کی اپنی دل کی بات تھی۔ ورنہ حضرت احدیت کو ان کو تنبیہہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی قوم بعد میں گمراہ ہوگئی اور اس گمراہی کی سزا جو اُن کو ملی وہ ظاہر ہے۔کہ وہ ایک عرصہ بھٹکتے رہے۔حتیٰ کہ وہ سب دنیا سے

نکالا جا سکتا۔ کہ وہ دراصل درستی پر ہیں۔ بلکہ اس سے یہ ممکن ہوتا ہے۔ کہ وہ
اپنی مخالف طاقت کے بعض وقت بہ نسبتاً زیادہ حق پر ہوتے ہیں بعض
اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشیت ایزدی علما کو کامیاب فرماکر یہ بتا دینا
چاہتی ہے۔ کہ وہ یہ خیال نہ کریں۔ کہ کارخانہ الہٰی کسی خاص انسان کی وجہ سے
چل رہا ہے۔ اس میں شک نہیں وہ انسان برگزیدہ اور پاک مطہر ہوتا ہے
مگر چونکہ شان ایزدی کسی فرد بشر کی اور یا افراد کی ضرورت سے بے نیاز ہوتی
ہے وہ ایسے خیال کو دور کرنے کے لئے اس شخص کو یا ان افراد کو اندر سے
نکال دیتی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی فتوحات کے وقت ایسا ہوا۔ کہ لوگوں کے
دلوں میں جب یہ خیال جاگزین ہونے لگا۔ کہ یہ فتوحات محض خالد بن ولید
جو ایک دراصل بزرگ بہادر اور مدبر جرنیل تھا کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ تو اللہ
تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو یہ سمجھ دی۔ کہ انہوں نے حکماً خالد بن ولید کو
اس عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔ جس کے متعلق لوگوں کو یہ خیال تھا۔ اور ایک
معمولی سپاہی بنا دیا۔ اگر کوئی دنیا دار انسان ہوتا تو یہ خیال کرتا۔ کہ میرے
ساتھ بہت بے انصافی ہوئی ہے۔ مگر چونکہ حضرت خالد بن ولید رح ایک بڑے
خدارسیدہ بزرگ تھے۔ انہوں نے اس بات کی چنداں پروا نہیں کی۔ جبکا
نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دشمنوں پر ان کی شجاعت کا ایسا سکہ بیٹھا۔ کہ انہوں نے
ان کو اس امر کے برخلاف اکسانے کی کوشش تک نہیں۔ اور معمولی سپاہی
کی حیثیت سے حضرت خالد نے کام کر کے بتا دیا۔ کہ اسلام دراصل ہم سے کیا
چاہتا ہے۔ اور مسلمانوں پر بھی اس کا اخلاقاً بہت اچھا اثر پڑا۔ اور خود حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ آپ کس قدر سادہ تھے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضور کا قد ماشاء اللہ بہت لمبا

لاویں۔ تا وہ ان پر ایمان لے آویں۔ حضرت یونس کو اُن کے متعلق غلط فہمی ہو گئی
جس کی وجہ سے ان کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ مگر وہ چونکہ اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ
نبی تھے۔ اس تکلیف سے بچ نکلے۔ آخر میں ان کی قوم نے ان کو قبول کر لیا۔
سو ان کو کسی حالت میں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اس مالکِ حقیقی پر پورا پورا
بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ وہ ہر حال میں ان کی دستگیری کرنیوالا ہے۔ ہاں
اپنے اعمال درست کر لینا واجب ہے کیونکہ تجلی کے بعد۔ اگر توبہ و تائب
نہ کریں۔ تو سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ ایسے وقت میں بھر بادشاہوں
تک کی پروا نہیں کی جاتی۔ کیونکہ ان کے ظلم و جور نے ان کے وقت کو پورا کر
دیا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی دانست میں سمجھتے ہیں کہ بس اب ہم کامیاب ہو گئے
ہیں۔ حالانکہ جس چیز کو وہ کامیابی خیال کرتے ہیں وہ ہی ان کی سخت ناکامی بن
جاتی ہے۔ کیونکہ مالک حقیقی کے ہر کام میں کچھ نہ کچھ راز ضرور ہوتا ہے۔

(۴۷) تعمیری پروگرام بنانے سے پیشتر انسان کو اپنے گرد و پیش
کے حالات کو بخوبی دیکھ لینا چاہیئے۔ انسان کو خداوند تعالےٰ نے عقل اس
واسطے عنایت کی ہے کہ وہ اس بات کو اچھی طرح دیکھ لے اور اپنی پوزیشن
کو مکمل طور پر سمجھ لے۔ ایسا نہ ہو کہ غازی امان اللہ خاں کی طرح ناکامی کا منہ
دیکھنا پڑے اور بعد میں الزام اللہ تعالےٰ پر نعوذ باللہ دیدے۔ کیونکہ خدا
وند تعالےٰ دیسے کسی کا عزیز نہیں ہوتا۔ بلکہ انسانی اعمال اس کو نزدیک یا
دور کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ اور اسی اصل کے ماتحت مولیٰ کریم انسان
کو جزا سزا عنایت فرماتے ہیں۔ انسانی اعمال کی تمہید اسکی نیت ہے اچھی
نیت سے کتنا ظاہرا برا کام کیا جاوے۔ وہ عمل چونکہ اچھی نیت سے کیا
جاتا ہے اور منشا الہیٰ بھی یہی ہوتا ہے۔ تب ہی انسان ایسا عمل کرتا ہے۔

چل بسے۔ ان کے بعد جو دوسری نسل پیدا ہوئی۔ ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔
باقی یہ خیال کہ ایک نبی کو ٹھوکر نہیں لگنی چاہیئے۔ اس کا اول جواب تو صاف ہے
کہ مولا کریم اپنی طاقت کا اظہار فرمانا چاہتے ہیں۔ اور نبی چونکہ ماتحت ہے۔
مشیت ایزدی یہ ہے کہ وہ برضا و رغبت حضرت رب العزت ہر کام خود
قبول کر لیتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے اسکو ٹھیس بھی لگ جائے تو کسی نہ کسی ذریعہ
سے سچائی اس پر کھول دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا دل سچائی کے قبول کرنے
کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ دوم نبی کی امت میں ابھی ایمان کی پختگی نہیں ہوتی۔ جو
خداوند تعالٰی کی قوت قدسی کی جاذب بن سکے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔
کہ جب تک طبیعتوں کے اندر ایسا انقلاب نہ پیدا کیا جا سکے۔ جو قدرت
خداوندی کی قائل اور اسکو قبول کرنے کے لئے بالکل طیار ہو۔ مولا کریم اس
وقت بات کو تعبیر میں ڈال دیتے ہیں۔ نبی کو چونکہ انسان کے دلوں کی کما حقہ واقفیت
نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہوتی ہے۔ کہ اسکو ٹھیس لگ جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت
یونس کے بیان میں یہ صاف پایا جاتا ہے کہ جب ان کی قوم کو بار بار تنبیہ کر کے
ڈرایا۔ اور انہوں نے حضور کی تکذیب کی تو خداوند تعالٰی نے عذاب شدید کی
خبر دیدی۔ اور کسی قرائن سے حضرت یونس علیہ السلام کو سمجھا دیا۔ جس کے
متعلق حضرت نے اپنی قوم کو پوری پوری آگاہ کر دیا۔ اور خود اس بستی کو
چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جب وہ قرائن ظاہر ہوگئے۔ تو ان کی قوم نے باہر نکل
کر اللہ جل شانہ کے سامنے زاری کی۔ اور نہایت تضرع سے دعا مانگی اور
ان کے بچوں۔ بوڑھوں نے مل کر حتیٰ کہ مویشیوں نے بھی اپنی طرز پر دعا مانگی
اللہ جل شانہ غفور الرحیم ہے اسی نے ان کو معاف کر دیا۔ اور انہوں نے
ہر روز باہر نکل کر دیکھنا شروع کیا۔ کہ اب حضرت یونس علیہ السلام تشریف

ہستی ہے۔ انسان کے اندرون سے واقف ہے۔

(۳۹) اگر خدانخواستہ خلقت یا مخلوق مالک ایزدی کو دھوکہ دے سکتی تو یا درکھو نظام دنیا کی شکل کیا ہوتی۔ اس دنیا کے نظام میں کبھی تبدیلی نہ ہوتی بلکہ جس رنگ میں یہ شروع سے چلا تھا۔ اس سانچے میں ڈھلا رہتا۔ کیونکہ یہ ظاہر جو انسان ایک دفعہ قدرت حاصل کرلیتا۔ وہ پھر کبھی مغلوب نہ ہوتا۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے تابع فرمان کرلیتا۔ اور نسلاً بعد نسلاً اسی کا سلسلہ چلتا۔ کیونکہ انسان ہرگز ہرگز نہیں چاہتا۔ کہ وہ دوسروں کو زندہ رہنے دے۔ یا کم ازکم وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اگر دنیا میں زندہ رہیں تو محض اس کے لئے زندہ رہیں۔ یعنی وہ جو صفات خداوندی کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوسکتا تو وہ یقیناً موت پر بھی قادر ہوجاتا۔ مگر خداوند تعالےٰ جو عالم الغیب ہے۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی طاقت وقدرت کے اظہار سے بارہا دنیا کو سمجھا دیا۔ کہ وہ قدرت وطاقت رکھتا ہے۔ اور اس زمانہ میں خصوصیت سے اس نے اپنے ایک مرسل کو دنیا میں مبعوث فرماکر دنیا کے لوگوں پر یہ ظاہر کردیا۔ کہ آؤ تم اس کے مقابل پر اپنی فوجوں کو جمع کرکے آجاؤ۔ اور میں اکیلا ہی اس کے لئے کافی ہوں۔ میرے مرسل کے مقابل تو آنا ایک بڑی بات ہے کہ ہم اس کے لئے کافی ہیں تم ایک مکھی کو مارنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور نہ تم کو اتنی قدرت ہے کہ تم روزی میں رد و بدل کرسکتے ہو تم جسکو روزی دنیا چاہتے ہو۔ اس سے ہم چھین لیتے ہیں۔ اور جس سے تم چھیننا چاہتے ہو۔ ہم اس کے مقام کو پہلے سے سربلند فرما دیتے ہیں۔ واقعات دنیا پر اگر عمیق نظر ڈالی جاوے تو اس وقت ہم قدرت کی اس طاقت کا مشاہدہ جو اس نے نبیوں کے ذریعہ دنیا میں قائم

جو بعض وقت صرف انسانوں کی نگاہ میں بُرا ہوتا ہے۔ دراصل اول تو وہ عمل بُرا ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ انسان کی نظر کوتاہ ہے۔ وہ دھوکہ میں آجاتی ہے پھر اگر محض دنیا کی خاطر مان بھی لیا جاوے کہ وہ نعوذ باللہ بُرا ہی ہے۔ تو بھی وہ عین منشا الہیٰ کے ماتحت ہوتا ہے اور منشا الہیٰ کے ماتحت اگر حضرت خضر علیہ السلام نے ایک جان لے لی تو دراصل وہ درست اور واجب تھی گو حضرت موسےٰ علیہ السلام اس کو سمجھ نہ سکے۔

(۳۸) بعض اوقات انسان خیال کرتا ہے کہ چونکہ وہ گنہگار ہے۔ مولا کریم اسکی بخشش کا ضرور سامان کر دیگا۔ یہ ایک حد تک درست اور تسلیم شدہ امر ہے۔ کہ مولا کریم گنہگار کو بہت جلد بخش دیتے ہیں۔ کیونکہ منشا الہیٰ یہی ہے کہ انسان توبہ کرکے اس کے دروازے پر آجائے۔ مولیٰ کریم اس کو بخشنے کے لئے بالکل طیار بر طیار ہیں۔ مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں۔ کہ انسان کو توبہ کا موقع ملتا ہے اور اسکو بتا دیا جاتا ہے کہ وہ توبہ کرلیوے اور آئندہ گناہ سے بچے۔ مگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ جہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس مقام پر پہنچکر فرعون غرق ہوا تھا۔ سو ایسی صورت میں مولا کریم اس کو نہیں بخشتے۔ کیونکہ اس سے دوسرے لوگوں کو حق تلفی کا اندیشہ ہے اور عیسائیوں کے عقیدہ کی جڑ اور بنیاد اسی مسئلہ پر ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ ہوگئے۔ سو یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہیئے۔ کہ بس ہم نے میدان مار لیا۔ وہ ذات الہیٰ ہے۔ انسان کے پوشیدہ رازوں سے بخوبی آگاہ ہے اور ہر ایک نیت کو دیکھتی ہے۔ کوئی بات نہ ذات رب سے چھپی ہوئی ہے اور نہ کوئی انسان مولا کریم کو دھوکہ میں لا سکتا ہے۔ وہ بڑی وراالوراء

لینی چاہیئے۔ اس بات کو حرف غلط کی طرح دل سے مٹا دو۔ کہ نعوذ باللہ اللہ
تعالیٰ نظام دنیا کا صانع نہیں ہے۔ وہ یقیناً اس نظام کا صانع ہے اور یہ
سب کارخانہ اس کے حکم کے ماتحت چل رہا ہے۔ انسان کی طاقت بڑی طاقت
ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اسکو اشرف المخلوقات بنا کر فرشتوں پر بھی قادر بنایا
ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ ایک مردہ مکھی سے بھی زیادہ کمزور ہے۔
لہذا اپنے گردوپیش اور اگلے پچھلے واقعات مدنظر رکھتے ہوئے اور کلام پاک کو
ذات باری کا کلام مانتے ہوئے انسان کو اپنے واقعات کو سمجھنا انسانی تخیل
سے بہت بعید ہے۔ انسان کو تو اپنی طرف سے درست عمل کرنے کی کوشش
کرنی چاہیئے۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ چونکہ انسانی نیتوں کا پھل دنیا اسکا
کام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "الاعمال بالنیات"
انسانی عمل اس کی نیت پر منحصر ہیں۔ اور اسی کے مطابق ہم پھل دیتے ہیں
اللہ تعالیٰ کو کسی شخص سے دشمنی نہیں ہے۔ مگر انسان تو اعمال کو ایسے
رنگ میں ڈھالتا ہے جو اس کی اپنی نیت پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی اگر اس کی
نیت واقعی درست اور نیک ہے۔ تو وہ عمل بھی اس رنگ میں کریگا۔ اگر نیت
میں فتور ہے تو وہ عمل بھی اسی رنگ میں کریگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی
قوت جہاں تک کہ میری اپنی نظر پہنچتی تھی۔ دنیا کو واقعات سمجھانے میں مکمل طور
پر صرف کردی ہے۔ چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو اپنی طرف سے جس قدر وہ
نیکی کرسکتا ہے اس قدر کسی کی بہتری و بہبودی کے لئے کوشش ضرور کرنی
چاہیئے۔ اور اپنی طبیعت کو دنیا کے گندول سے جہاں تک ممکن ہو سکے پاک
وصاف کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے
سپرد کردینا چاہیئے۔ اور خدا تعالیٰ کی آواز اس کے اپنے عمل کے نیک پھل

کی ہے ۔تو ہم بخوبی کر سکتے ہیں ۔ دراصل اللہ تعالیٰ ہے اور اسکی طاقت تمام طاقتوں سے بالا و افضل ہے ۔ دین و دنیا میں سب سے بڑی طاقت اللہ تعالیٰ کی ہے، مابعد اس کے اللہ تعالیٰ کے دین کی طاقت ہے ۔یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مامور ہیں ۔ اور اس کے بعد طاقت حکومت کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے در پے واقعات سے انسان کو سمجھاتا ہے ۔ مگر اس کے سمجھانے کا رنگ ایسا ہے ۔ کہ انسان ہر قدم پر یہ سمجھتا ہے کہ بس اب اس نے اللہ تعالیٰ کی طاقت کو بالکل کمزور کر دیا ہے ۔
حالانکہ جب وقت گذر جاتا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا قدم پہلے سے آگے نہیں گیا ۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے اسکے قدم کو اور پیچھے کر دیا ہے ۔کیونکہ واقعات اگر تو اس رنگ میں نبائے جاویں جس رنگ میں پہلے تحریر کر آیا ہوں ۔ کہ انسان اپنے ماحول کو سمجھتے ہوئے اور اپنی پہلی زندگی کو دیکھتے ہوئے اور ان پر عمیق نظر ڈالتے ہوئے کام کرے تو وہ ضرور کامیاب ہوگا ۔ مگر پچھلے ماحول کو بالکل بھلا دینا اور اپنے لئے خواہ مخواہ ایک نئی شاہراہ طیار کرنے کی کوشش کرنا چنداں درست اور صحیح نہیں ہے ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ سے لڑائی ہے انسان اپنی مرضی سے اس ماحول میں رہتا ہے ۔یعنی وہ سمجھتا ہے کہ جس ماحول میں درحقیقت اللہ تعالیٰ رکھتا ہے ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اس ماحول میں اس کو رکھنا پسند نہ کرتا ۔ تو وہ کبھی واقعات کو اس رنگ میں دنیا میں پیش کرکے دنیا کو یہ نہ بتلاتا ۔ کہ منشا الٰہی یہی ہے ۔ ہاں جب انسان ہر حال میں اس کی مخالفت پر تل جاتا ہے اور وجود باری کو بھی اپنے رنگ میں لانا چاہتا ہے تو نتیجہ صاف ہے اور اپنے کئے ہوئے عمل کو بھگتنے کے لئے انسان کو طیار ہو جانا چاہیئے ۔ یا سجدہ میں سر نیاز رکھ کر مالک حقیقی سے بخشش مانگ

میں جان بوجھ کر انجان بن جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان سمجھتا ہے کہ دراصل روزی رساں نے جو کام میرے سپرد کرنا تھا۔ اس کے لئے سامان خود بخود اس نے کر دیئے ہیں۔ وہ چیزیں جو میرے مقدر تھیں وہ خود بخود میرے پاس اس نے اپنی قدرت کاملہ کے ماتحت پہنچا دی ہیں۔ اول تو اس کے متعلق اسکو یہ غلطی لگی ہے کہ بعض حالات خود ان کی ماہیت کو سمجھتے ہوئے بھی وہ یا تو یہ سمجھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود بخود ان کا ماحول تبدیل کر دے گا۔ یا درحقیقت ان کا ماحول بھی یہی تھا جس میں یہ رکھے گئے ہیں۔ خود بخود تو مولا کریم سوائے چند خاص حالات کے کچھ نہیں کرتا۔ وہ چند حالات ہی بالکل خاص الخاص ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے کسی شخص کا ماحول غلط طور پر تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور اگر تبدیل کرے گا۔ اور ضرور کرے گا۔ تو درست طور پر ہی کرے گا۔ نبی کی جماعت دنیا میں حق اور راستی کو قائم کرنے کے لئے طیار کی جاتی ہے۔ اور اگر وہ خدانخواستہ اسباب پر طیار نہیں ہوتی۔ تو سمجھ لو کہ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ اور یہی حق اور سلامتی کی ایک بین اور کھلی کھلی دلیل بن جاتی ہے۔ اس میں غلطی صرف اس قدر ہے کہ انسانی معیار اور اللہ تعالےٰ کے معیار میں فرق ہے۔ یہ ایک ایسا بین فرق ہے۔ جس کے متعلق دنیا میں زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ بعض مشاہدات دنیا میں ایسے نظر آتے ہیں جو صاف طور پر واقعات کو روز روشن کی طرح نمایاں کر دیتے ہیں۔ اور مشیت ایزدی کی قدرت اس کے متعلق بالکل صاف و واضح معلوم ہو جاتی ہے۔ تاہم انسان چونکہ اس حد سے نکل جاتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ لہذا خداوند تعالیٰ واقعات کو اس رنگ میں تبدیل کر دیتا ہے جس سے دنیا کو اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے۔ کہ آیا قدرت نے جو کچھ کیا ہے

ضرور دیگی اور کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ نہ دے۔

میں اس قدر اور واضح کردوں کہ انسان کو ہرگز ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ بس اب میں نے معاملہ کو درست طور پر سمجھ لیا ہے کہ اب میرا عمل دراصل درست ہوگا۔ میں نے پیشتر ازیں اس کے متعلق اظہار خیال کیا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی آزمائش آخری وقت تک کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرنی چاہئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کے متعلق دہوکہ میں آجاوے پچھلی مثالیں بار بار قرآن کریم میں دوہرا کر اللہ تعالے نے دنیا پر پورے طور پر واضح کر دیا ہے کہ جب وہ دنیا پر کوئی نظام قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یہ تو اسکو پورے طور پر تسلیم کر لیا جاوے۔ یا پھر عذاب کے لئے طیار ہو جاوے کیونکہ اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرتا۔ جب وہ سمجھتا ہے کہ اب عذاب دینے کا وقت آگیا ہے۔ وقت کے متعلق وہ بھی درست سمجھ سکتا ہے۔ میرے نزدیک وہ ایسا وقت ہے۔ جب انسان سے نیکی کی توفیق بالکل سلب ہو جاتی ہے اور بدی اس کے اندر راسخ ہو چکی ہوتی ہے۔ کہ اسکو نیک کام کے سمجھنے کی بھی قدرت باقی نہیں رہتی۔ تو ایسے وقت اللہ تعالے عذاب روانہ کرتا ہے۔ ہاں یہ اس کی مشیت ہے کہ جب تک وہ دنیا میں کوئی نذیر روانہ نہیں کرتا۔ جو دنیا کو پورے طور پر آگاہ کردے۔ اس وقت تک ایسا نہیں کرتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ " دنیا میں ایک نذیر آیا دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ مگر خدا تعالے اسے بڑے زور آور حملوں سے اس کی صداقت دنیا پر ظاہر فرماوے گا "

انسان کو اعمال کے سمجھنے میں ایک غلطی لگ سکتی ہے۔ جو لگنی تو نہیں چاہیئے۔ مگر چونکہ یہ بعض حالات میں مجسم غلطی کا پتلا ہے۔ اور بعض حالات

کامیاب نہ ہو سکے۔ باوجودیکہ ان کو بتا دیا گیا تھا۔ مگر پھر بھی انہوں نے سوال کر دیا۔
جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ وہاں پر حضرت خضر علیہ السلام سے علیحدہ کر دیے گئے
کیونکہ یہ بھی ان کے درمیان معاہدہ تھا۔ اور معاہدہ کی پابندی چونکہ ان پر لازمی
تھی جسکے متعلق وہ پورے نہ اُتر سکے۔ لہذا نتیجہ صاف تھا۔ اس سے یہ ثابت
ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا درست و صحیح وقت وہ ہے جو وہ خود مقرر فرماتا
ہے۔ اور اس کے متعلق اندازہ لگانے پر انسان خود قادر ہے۔ یعنی وہ انتظار
کرے اس وقت تک جبکہ اللہ تعالیٰ خود بخود اپنی تجلی کو ظاہر نہ فرما دیں۔ اس سے
یہ ثابت نہ کر لینا چاہیئے کہ بس انسان کو چپ چاپ خاموش رہنا چاہیئے چونکہ
کلام پاک میں یہ بھی فرماتا ہے کہ تم ان ذرائع کو جو تم کو میسر ہیں ان کو بھی عمل میں
لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم صاف دلالت کرتا ہے کہ تم اپنے ذرائع کو ضرور استعمال
کرو۔ تاکہ تمہاری عملی قوت میں کمی پیدا نہ ہو۔ اور جب تم سے عمل اصلی اور صحیح
معنوں میں پیدا ہوگا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو قریب تر کرتا جاویگا۔ حتیٰ کہ
پھر ایک آخری منزل رہ جائے گی جس کے بعد سوائے اللہ تعالیٰ کے اپنے
فضل کے اور کوئی کام باقی نہ رہیگا۔ اور وہ درست اور صحیح وقت اللہ تعالیٰ
کی تجلی کا سمجھ لو۔ باقی اللہ تعالیٰ کیوں اپنی تجلی کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنی تجلی
کا اظہار اس واسطے کرتا ہے۔ کہ جب وہ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں کو
گمراہی سے نکالے اور راہِ راست پر لے آوے۔ یا دنیا میں گمراہی کی وجہ
سے جو فتنہ و فساد کی وجہ سے جو ابتری پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ تو اس کو
دنیا سے نجات دے اور امن و راستی کو دنیا میں پھیلائے۔ اس میں شک
نہیں کہ ساری دنیا اس سے مستفید نہیں ہوتی۔ کیونکہ گمراہی اور سچائی دونو
پہلو بہ پہلو رہتی ہیں۔ اپنے اپنے وقت پر ان کو فروغ اور تنزل ملتا ہے۔

وہ دراصل ایسا ہی ہونا درست اور واجب تھا۔ انسانوں نے جو نظریہ قائم کیا تھا۔ وہ درست اور صحیح نہیں تھا۔

اس کتاب کے آخری حصہ یعنی فی الحال میرے لئے آخری ہے میں تحریر کرتا ہوں۔ جس سے یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی تجلی کیوں اور کس وقت دنیا میں ظاہر فرماتا ہے۔ کلام پاک پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق انبیاء بسا اوقات غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ باوجود اللہ تعالیٰ کی تجلی کی خواہش کرنے کے اس کو نہیں پا سکے۔ یعنی جب تجلی کا وقت آیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی تجلی حسب منشا حضرت موسےٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی۔ مگر چونکہ خواہش حضرت موسےٰ علیہ السلام کی طرف سے تھی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پہاڑ جس پر تجلی کا ظہور ہو گیا۔ تجلی کو برداشت نہ کرتے ہوئے سرمہ بن گیا۔ اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ یعنی اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی جب نیک بندوں پر پڑتی ہے تو گو وہ وقت سے پہلے پڑتی ہے۔ تو بھی اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور پہاڑ چونکہ ذی روح نہیں تھا۔ وہ سرمہ بن گیا۔ تاکہ دنیا کو اس سے فائدہ پہنچے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ وقت سے پہلے اللہ تعالےٰ تجلی کے لئے خواہش کرنا فائدہ مند اتنا نہیں ہوتا۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس سے دھوکہ میں آکر نقصان اٹھا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت موسیٰ تھے جو اس وقت بچ نکلے ورنہ دوسرا انسان ہوتا تو تباہ ہو جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کے لئے بہترین وقت وہی ہے جو وہ خود مقرر فرما دیں۔ خود اس کے متعلق سوال کرنا سخت غلطی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے دوسرے حضرت خضر علیہ السلام والے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہاں پر سوال کرنے سے

بیکسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست

میرا ارادہ کتاب زیر طبع کے اندر مزید مضمون کسی موضوع پر بھی تحریر کرنے کا نہیں تھا۔ مگر اتفاقاً مجھے آج معلوم ہُوا۔ کہ کاپی میں ابھی کچھ حصہ بقایا ہے۔ ان کے لئے مضمون درکار ہے۔ لہذا حالات موجودہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شعر مندرجہ بالا کے مطابق مضمون تحریر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو حسب حال فرمائیں۔ آمین! ثم آمین!

یہ شعر جناب سید الانبیا مسیح موعود علیہ السلام کا ہے اور اس میں حضور نے امت کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور نے امت کی حالت کا نقشہ اس رنگ میں ظاہر فرمایا ہے۔ کہ وہ خالی اپنی روٹی وغیرہ کی فکر میں ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ چلو ہماری روٹی کسی طرح چلتی رہے اور وہ اپنے دنیاوی امور میں اس طرح سے لگے ہوئے ہیں۔ کہ ان کی نگاہ دوسری طرف اٹھتی ہی نہیں ہے اور انکا خیال ہے کہ ہم کو دین سے مطلب نہیں ہے ہم کو تو اپنے نفس سے مطلب ہے۔ اور وہ اسی اصل پر چل رہے ہیں۔ جو حضرت عبد المطلب نے عیسائی بادشاہ کے مقابلہ میں اختیار کی تھی۔ حالانکہ ان کی روش کا کلام پاک میں ذکر ہے۔ اور اس وقت چونکہ حضور پُر نور دنیا میں تشریف فرما نہیں ہوئے تھے۔ بدیں وجہ یہ روش درست اور جائز تھی۔ مگر ایک طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوےٰ کرنا اور دوسری طرف ایسی

اب اس مرحلہ پر اس کتاب کو ختم کرتا ہوں۔ کہ آئندہ بشرط فرصت دوسرے مضمون پر اپنے خیالات ظاہر کرونگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس حصہ مضمون کو بالکل مکمل کرا دیا۔ مشیت ایزدی کو سمجھنا انسانی عقل سے بعید ہے میرا دوسرا مضمون انشاء اللہ تعالیٰ "دنیا میں اختلاف" کے متعلق ہوگا۔ یعنی دنیا میں بظاہر پوزیشن۔ شکل و صورت۔ زبان۔ علمی ترقی و تنزل۔ وغیرہ کیوں ہے۔ اور اس کی تہ میں اللہ تعالےٰ نے کیا راز پوشیدہ فرمایا ہے

کہ ہزار مائیں ایک طرف اور اس کی محبت ایک طرف تو بھی برابر نہیں ہو سکتی وہ احکام دنیا میں نافذ فرماتا ہے۔ ان کے متعلق کوئی نقص نہیں نکال سکتا۔ بلکہ ان کے اندر ایسے حکیمانہ راز پنہاں ہیں کہ انسانی عقل جب عملی رنگ میں ان پر غور کرتی ہے۔ تو حیران رہ جاتی ہے۔ مشاہدہ کے بعد جب ایسی چیز دنیا میں نمودار ہوتی ہے تو دنیا دار اسباب کو سمجھنے سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔ اور اس وقت وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ افسوس سخت غلطی کھائی۔ مگر اس وقت افسوس کرنے کا کوئی موقعہ نہیں ہوتا۔ ہاں آئندہ نسلیں ایسے انسانوں پہ لعنت کرتی ہیں۔ جیسا کہ اس وقت یزید کے ساتھ لعین کا لفظ اور ابو جہل کو خاص کر اس لفظ سے اسی وجہ سے پکارا جاتا ہے کہ اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا۔ واضح نشان اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ اسی طرح اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ جو لوگ حضرت سید الانبیاء مسیح موعود علیہ السلام کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ ان کی لعنت کا رویہ ابو جہل سے بھی زیادہ ہوگیا ہے اور آئندہ نسلیں ان لوگوں پر خون کے آنسو روئینگی۔ اور ایسے گندے الفاظ سے انکو یاد کرینگی۔ جو خاکسار کے احاطہ قلم سے باہر ہیں۔

کاش کہ یہ لوگ اب بھی سمجھ جاویں۔ اور اپنی حالتوں پر رحم کریں۔ آخر کیا ان کا خیال ہے۔ کہ احکم الحاکمین کے سامنے انہوں نے پیش ہونا ہے۔ جہاں پہ کوئی کسی کی امداد نہیں کریگا۔ یاد رکھو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شفاعت ایسے رنگ میں ہرگز ہرگز نہیں فرما سکتے جس میں ان کے متعلق یہ جرم ثابت ہوتا ہو۔ کہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کا مقابلہ کیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کے مرتکب ہوئے۔ کیونکہ جس بزرگ رسول کی خود خدا تعالیٰ نے حمد کرتا ہے۔ کیا وجہ ہے۔ اس کی حمد وہ نہیں کرتے۔ بلکہ وہ

روش اختیار کرنا دیانتداری نہیں ہے۔ ممکن ہے علما کرام کا خیال ہو۔ کہ جب
حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق اسی قسم کا فتوٰے صادر فرما
دیا ہے تو وہ اس کے متعلق کیا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ حضور کا فتوٰی ایک زجر
اور تنبیہ کے رنگ میں ہے۔ اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ نہ کہ منافقوں
کی طرح چپ کر کے بیٹھ جانا چاہیئے۔ یاد رکھو اللہ تعالےٰ جو عیسائی بادشاہ
کو پہلے زمانہ میں تباہ کر سکتا تھا۔ اب بھی اس کی طاقتیں کمزور نہیں ہو گئی
ہیں۔ بلکہ بڑی زبردست ہے۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جو وہ پہلے
کر سکتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی کر سکتا ہے۔ علما کرام نے جو روش اب اختیار
کی ہے۔ حضرت رب العزت کو پہلے ہی علم تھا۔ اور اس نے حضور کو اس کے
متعلق پہلے ہی اطلاع دیدی تھی۔ اور مناسب انتظام کر لیا تھا۔ دنیا اگر سب
تباہ ہو جاوے۔ تو ہو جاوے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی سنت جو انبیاء کے متعلق
چلی آرہی ہے۔ وہ ہرگز ہرگز نہیں ٹل سکتی۔ اور اللہ تعالےٰ کے نور کو دنیا
پھونکوں سے بجھا نہیں سکتی۔ چونکہ اللہ تعالےٰ ہر امر پر غالب ہے۔ وہ سامان
بنانے کے ایسے باریک راستے جانتے ہیں۔ جن کے متعلق انسان کو وہم
بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہ ہو۔ تو خداوند تعالےٰ کی ہستی کو کوئی نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ
کسی کا محتاج نہیں ہے اور اس کی جملہ صفات ازلی و ابدی ہیں۔ اور کوئی
ان کے متعلق یہ وہم بھی نہیں کر سکتا۔ کہ وہ کس طرح اُن پر غالب آسکے
گا۔ یہ ایک ایسا خام خیال ہے جس سے زیادہ کمزور خیال کوئی نہیں ہے
وہ بڑا پاکیزہ بادشاہ ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہے۔ جو
بیوی بچوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ وہ ان سے پاک ہے۔ وہ عزیز ہے
یعنی محبت کرنے والا بھی ہے۔ اور اس کی محبت اس قدر زیادہ ہے

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کی ذات بابرکات نے آج سے تقریباً پچاس برس پہلے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو خدا وند تعالیٰ کی طرف سے حکم پاکر قادیان دارالامان میں قائم فرمایا ہے۔ اور خاکسار بھی اسی سلسلہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ تاہم اگر کسی صاحب کو میرے متعلق کوئی شک وشبہ ہو تو اس واضح نوٹ سے ضرور دور ہو جانا چاہئے۔
خدا تعالےٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

خاکسار
عبدالغنی
نئی آبادی - بھیگو اڈہ دروازہ
جالندھر شہر

جنرل برقی پریس جالندھر شہر میں باہتمام آغا محمد حفیظ اللہ پرنٹر چھپی اور پبلشر عبدالغنی نے چھپوا کر شائع کی

اسباب کے بھی روادار نہیں۔ کسی دوسرے سے بھی محمد حسن لیں۔ ایسی صورت میں ان کی بخشش کے امکان کہاں تک ہو سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو چھوڑ دو تو باقی کیا رہا۔ خالی زبانی باتیں جن کی کوئی ایک دمڑی کی قیمت نہیں ہے۔ اور ماسوائے چندہ اکٹھا کرنے کے اور کیا ہوگا۔ وہ پبلک ایسے مولویوں کو چندہ دیکر کہاں تک ثواب حاصل کر سکتی ہے۔ آخر نہ تو انہوں نے مولوی صاحبان کو چندہ دینا ہے اور نہ ہی مولوی صاحبان یہ ظاہر کرینگے۔ کہ اس میں ان کی ذاتی اغراض وابستہ ہیں۔ تو پبلک جو چندہ بھی دیگی وہ دین کی غرض کے واسطے دیگی اور اور دینی اغراض جو مولوی صاحبان پوری کر رہے ہیں۔ وہ ایسی نہیں ہیں۔ جو دنیا کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔ کیا دین اس ترقی پر جا رہا ہے؟ کیا تبلیغ دین کا حق جو مولوی صاحبان کے ذمہ ہے وہ اس کو کما حقہ پورا کر رہے ہیں۔ کیا ان کے قول فعل میں فرق نہیں ہے؟ کیا وہ اس انتظار میں نہیں ہیں۔ کہ خونی مہدی دنیا میں آکر ان کی امداد کرے؟ کیا وہ ناحق ایک بزرگ نبی کی جماعت سے برسر پیکار نہیں ہیں۔ جو سچائی کو لیکر دنیا کے کونے کونے میں سعید روحوں کو جذب کر رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مولوی صاحبان کے پاس یا تو غلیظ اور گندہ لٹریچر ہے۔ اور منہ سے جو کچھ کہتے ہیں۔ عملی ثبوت اس میں ایک رتی بھی نہیں پایا جاتا۔ یا پھر جو کام کرنے والے لوگ ہیں۔ ان کے رستے میں روڑا اٹکانے میں مصروف ہیں۔ اور یہ بڑا خطرناک مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرماویں اور ہم سب کو نیک نیتی سے بات کو سمجھنے یا سمجھانے کی توفیق عطا فرماویں تاکہ ہم اپنے مقام کو سمجھنے کی کوشش کر سکیں۔ آمین! ثم آمین

اول تو میرے خیالات سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ خاکسار

جنرل برقی پریس جالندھر شہر میں طبع ہوکر
شائع ہوئی۔

ملنے کا پتہ

مولوی عبدالغنی احمدی۔ نئی آبادی
بچگواڑہ دروازہ جالندھر شہر